نایاب جیلانی

سحر کا اجالا ہے شبنم

شامیانے کے اندر بھانت بھانت کی مخلوق تھی۔ یوں لگتا تھا۔ کھانے کے وقت پورا گاؤں اُمڈ آیا ہے۔ بچے، بوڑھے، عورتیں جیسے کھانے پہ ٹوٹ پڑے تھے۔ انہیں لگتا تھا۔ پوری عمر کبھی اچھا کھانا نصیب نہیں ہوا۔

اس منظر سے بے نیاز ایک کونے میں صدف کی ساس سے تائی ساس جھگڑنے میں مصروف تھیں۔ جی بری طرح سے اُوب گیا تھا۔ اس نے شکر کیا۔ اتنے ہجوم میں امی دکھائی دی تھیں۔ کچھ دیر بعد امی قریب آ گئیں۔ انہوں نے کھانے کا پوچھا تو اس نے بری سی شکل بنا کر تڑخ کے کہا۔

”نام مت لیں کھانے کا۔ الٹی آ رہی ہے۔ ایسے گھٹیا اور جاہل لوگوں میں تائی امی نے صدف کی شادی کر دی۔ ایک بھی ڈھنگ کا پڑھا لکھا بندہ نظر نہیں آ رہا۔ کتنے چیپ لوگ ہیں۔ کھانے کی بھی تمیز نہیں۔ اٹھنے کی تمیز نہیں۔ بولنے کی تمیز نہیں۔“ اس

مکمل ناول

کی زبان چلی تو پھر رکی نہیں۔ پون گھنٹہ وہ امی کی ڈانٹ کے باوجود زہر اگلتی رہی تھی۔

اپنے لفظوں کی شرانگیزی اور اپنے "بے لاگ" تبصرے سے کتنے لوگوں کو محظوظ کر رہی تھی اور کتنے لوگوں کو غم و غصے میں مبتلا کر رہی تھی۔ وہ اس سے بے نیاز تھی۔

☆☆☆

"میں تو تمہیں ایک ہی مخلصانہ مشورہ دوں گی۔" اس کی یونی فیلو اور بیسٹ فرینڈ ادیبہ نے فون پر بڑی محبت اور فرصت کے عالم میں اسے مشورے سے نوازا تھا اور یہ مشورے تو ہمیشہ سے انزلہ کے ساتھ تھے۔

ادیبہ اس کی بہت پرانی نہیں، بس یونی ورسٹی کی دوست تھی۔ ان کی دوستی یونی ورسٹی کے بعد بس فون تک محدود تھی۔ ادیبہ شادی کے بعد سسرال جا بسی تھی۔ اس کی شادی پر انزلہ جا نہیں سکی تھی کیونکہ اس کے گھر آنا جانا نہیں تھا مگر فون پر ہمیشہ رابطہ رکھا۔

اپنی بھابھیوں اور بہن سے وہ اتنی قریب نہیں تھی۔ صدف کے بعد بس ادیبہ تھی۔ جس کی ہر بات پہ آنکھ بند کر کے اعتبار کرنا وہ اپنا فرض اولین سمجھتی تھی۔

اور جب صدف کے توسط سے یہ نیا سلسلہ شروع ہوا تو ادیبہ سے ہی انزلہ نے پہلا مشورہ لیا تھا۔ اور ادیبہ کے مشورے پہ جیسے وہ سر دھڑ کی بازی لگا کر "اڑ" گئی تھی۔ لیکن اس کی تمام تر "ضد" اور انکار کے باوجود امی اور بھائیوں نے اپنی من مانی کر لی تھی۔

ادیبہ کے نادر مشوروں پہ ایک مرتبہ پھر انزلہ میں نئی روح آ گئی تھی اور وہ جو کسی شکستہ جرنیل کی طرح ہتھیار ڈال چکی تھی۔ نئے سرے سے تازہ دم ہو گئی۔

☆☆☆

"نہیں بھابھی! سب کچھ ٹھیک چل رہا تھا۔ میں حیران تھا۔ یہ ممکن کیسے ہوا...... مگر پھر اچانک اس کی روٹین بدل گئی۔ جانے بیچ میں کیا ہوا۔ ابھی تک سمجھنے سے قاصر ہوں۔" وہ فون پہ اونچی آواز میں کسی سے گفتگو کر رہا تھا۔ چہرے سے پریشانی مترشح تھی۔ پھر لمحہ بھر کی خاموشی چھا گئی تھی۔

"مجھے نہیں لگتا کہ کچھ بہتری کی امید ہے۔" اس کی آواز میں تاسف تھا۔

"کیونکہ کتے کی دم سو سال بعد بھی ٹیڑھی کی ٹیڑھی رہتی ہے۔" اب کے نہایت تنفر سے گوہر افشانی کی گئی تھی۔

"مسئلہ تو میں خود نہیں سمجھ پا رہا۔ جانے بیچ میں "تیلی" کس نے لگائی۔" اس نے زچ ہو کر کہا۔

"ظاہر ہے، کھوج تو لگا کر رہوں گا۔" اب وہ دوسری طرف کی گفتگو سن رہا تھا۔

"ایسے سستے میں تو کسی کو نہیں چھوڑوں گا۔ میرا ڈسا تو پانی بھی نہیں مانگتا۔" اب وہ اپنے خطرناک ارادے ظاہر کر رہا تھا۔ اور پردے کے پیچھے چھپی وہ سخت سراسیمگی کا شکار تھی۔ اس نے ساری بات گہرائی تک سن اور سمجھ لی تھی۔ وہ جانتی تھی۔ جو وہ کہتا ہے۔ کر دکھاتا ہے۔

☆☆☆

ادیبہ سے انزلہ کی یونی ورسٹی میں دوستی ہوئی تھی۔ وہ ایک دیہات سے اٹھ کر اس بڑے شہر کی بڑی یونی ورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے آئی تھی۔

ان دو سالوں میں انزلہ کا ادیبہ کے ساتھ بہت اچھا وقت گزرا تھا۔ جس میں زیادہ ہاتھ ادیبہ کا ہی تھا۔ انزلہ تو کہاں ادیبہ کے دیہات جاتی...... لیکن ادیبہ بھی کبھی اس کے گھر نہیں آئی تھی نہ ہی انزلہ نے کوئی ایسی آفر کی تھی۔ پھر یونی ورسٹی کے بعد اچانک ہی ادیبہ کی شادی طے ہو گئی تھی۔

ان دنوں وہ بہت دکھی تھی۔ اکثر انزلہ ادیبہ کے لمبے لمبے میسجز پڑھ کر بہت ڈسٹرب ہو جاتی تھی۔ ادیبہ اپنے ماموں کی فیملی میں شادی کی خواہش مند تھی مگر وہاں کسی طور بات نہیں بن سکی تھی۔ جس جگہ اس کی شادی ہوئی تھی وہ لوگ بھی بہت اچھے تھے۔ ادیبہ ایسی ایسی تعریفیں کرتی کہ انزلہ شدید متاثر ہو جاتی تھی۔

کہاں ایک معمولی گھر کی معمولی سی کم رو ادیبہ اور کہاں اس کے سسرال والے لینڈ لارڈ۔

ادیبہ کی زندگی پہ رشک کرتی انزلہ کو آہستہ آہستہ سہیلی سے حسد ہونا شروع ہو گیا تھا۔ کیوں کہ اس کا اپنا رشتہ ایک "دیہی ماحول" رکھنے والے گھرانے میں اچانک طے پا گیا تھا۔

وہ اپنی امی سے بلاسبب لڑتی جھگڑتی۔

"میرے لیے وہ ہی پینڈو رہ گیا تھا؟ مجھ سے اچھی تو ادیبہ ہے...... اتنے بڑے شہر میں اتنے بڑے گھر کی بہو بن کر عیش کر رہی ہے۔ اور میں ایک پنڈ میں جھونک دی گئی ہوں۔" انزلہ کے غصے کی ہر تان ادیبہ پہ آ کر ٹوٹ جاتی تھی تب امی کو اس پہ شدید تاؤ آتا تھا۔

"خبردار، جو تم نے ادیبہ کا نام بھی لیا۔ ہمارے تو کان پک چکے ہیں۔ ادیبہ نامہ سن سن کر۔ تم دیکھ کر آئی ہو اس کا لائف اسٹائل؟ جو بھی کسی نے بکواس کی اس کو مان لیا۔ ہمارا کسی کے ساتھ کوئی مقابلہ نہیں۔"

یہ وہ جنگ تھی جو تب بھی ناکام ہوئی تھی اور ابھی تک "ناکامی" سے ہی دوچار تھی۔

☆☆☆

خلیل جبران کہتا ہے۔

"آسمانوں سے ہماری محبت ہمارے دل پر اترتی ہے۔ اور سب کچھ بدل کر رکھ دیتی ہے۔ محبت ایک طلسم کدہ ہے۔ شہر دل کے موسم بھی عجیب ہوتے ہیں۔ کبھی تو برسوں نہیں بدلتے اور کبھی لمحوں میں دل کی دنیا بدل دیتے ہیں۔"

کیا محبت واقعی ایسی ہوتی ہے؟

اگر خلیل جبران کہتا ہے تو پھر ٹھیک ہی کہتا ہوگا۔ اس کی کیا مجال؟ جو انحراف کرتی۔

☆☆☆

بات بڑی نہیں تھی مگر بڑھا دی گئی تھی...... اور اسے بڑھانے چڑھانے میں بھی انزلہ کا ہی کمال تھا۔ مہمانوں کے جاتے ہی اسے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع مل گیا تھا۔

تین ماہ پہلے جب اچانک یہ سلسلہ شروع ہوا تب بھی انزلہ نے اپنے گھر والوں کو اس "عمل" سے باز رکھنے کی سر توڑ کوشش کی تھی۔ جس میں وہ تب بھی اتنی ہی ناکام ہوئی جتنی آج۔ تب بھی اس کی پڑھی لکھی امی اور بہن بھائیوں نے اس کی رائے کو قطعاً اہمیت نہیں دی تھی۔

دراصل یہ سارا بگاڑ تین مہینے پہلے اس لیے شروع ہوا تھا جب انزلہ کی میٹھی چھری سی تائی نے اچانک اپنے کھاتے کماتے، خوش پوش، خوش لباس بیٹے شاہ ویز کا رشتہ طے کر دیا۔

شاہ ویز کا رشتہ کرن سے یعنی تائی امی کی بھانجی سے نہیں بلکہ اس کی سب سے زیادہ معاشی لحاظ سے بدحال پھوپھو، نفیسہ کے گھر ہوا تھا، ان کی بیٹی عائشہ کے ساتھ۔

ہر کوئی حیران اور ششدر تھا۔

شاہ ویز کے رشتے سے سب سے زیادہ دھچکا تو انزلہ کی امی کو لگا تھا۔ وہ تو سوچ بھی نہیں سکتی تھیں کہ ونیزہ ان کی اتنی حسین و جمیل، لائق فائق بیٹی کو چھوڑ کر نند کی بیٹی کو ترجیح دیں گی۔ امی اور ونیزہ تائی میں پیار بھی بہت تھا اور انزلہ پہ تو تائی جان چھڑکتی تھیں......

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے
بہنوں کیلئے خوبصورت ناول
یہ گلیاں یہ چوبارے
فائزہ افتخار
قیمت -/400 روپے
منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی
فون نمبر:
32735021

اوران کی یہ منہ دیکھے کی محبت اب ''کھل'' کر سامنے آ چکی تھی۔

لیکن کچھ لوگ اس رشتے پہ خوش بھی تھے جیسے انزلہ کے پاپا اور تایا۔ پاپا نے تو جانے کتنی ہی مرتبہ ونیزہ تائی کا شکریہ ادا کیا تھا اور ان کے اس فیصلے کو سراہا تھا۔

''بھابھی! آپ نے یتیم بچی کو اپنا کر ہماری بہن کو ہی نہیں، ہمیں بھی خرید لیا ہے۔ آپ نے بہت بہترین فیصلہ کیا ہے۔''

مگر امی کا صدمہ اپنی جگہ برقرار تھا تب ہی تو امی نے بھی اندر ہی اندر انزلہ کے لیے رشتہ ڈھونڈنے کی مہم شروع کردی تھی۔ امی اور آپی ان ہی کوششوں میں مصروف تھیں جب اچانک ہی انزلہ کے اتنے پیارے۔ پاپا ہلکے سے اٹیک میں چل بسے......اور بس وہیں سے انزلہ کے نصیب کا ''پھیر'' شروع ہوگیا تھا۔

وہ اپنی ایک بہن اور تین بھائیوں سے چھوٹی تھی۔ بہن بھائی سب اچھی نوکریاں کرر ہے تھے۔ اور تینوں بھائیوں نے اپنی پسند سے شادیاں کی تھیں۔ جس پہ امی نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ حالانکہ تب بھی پاپا کی بڑی خواہش تھی کہ نفیسہ پھوپھو کی عائشہ کو اپنی بہو بنائیں۔ لیکن اس کے بھائیوں نے فرداً فرداً انکار کردیا۔ امی نے بھی کوئی دباؤ نہیں ڈالا تھا۔ کہاں ایک عام سی دبو اور گھٹے گھٹے ماحول کی پروردہ لڑکی کو بہو بناتیں۔

ان کی تینوں بہویں اعلا تعلیم یافتہ تھیں، بیٹے بھی فارن کوالیفائیڈ اور بیٹیاں بھی گولڈ میڈلسٹ، انزلہ نے تو حال ہی میں پوری یونی ورسٹی میں ٹاپ کیا تھا۔ کیا کمی تھی بھلا اس میں۔

انہیں رہ رہ کر جٹھانی کی عقل پہ افسوس ہوتا اور غصہ بھی آتا۔ مگر شوہر کے سامنے بے بس تھیں۔

امی اور پاپا میں محبت بھی بہت تھی......اور اب اچانک ان کی جدائی نے امی کو اکیلا اور ہراساں کردیا تھا۔ پاپا کی وفات پہ تینوں بھائی، بیویوں سمیت پہنچ گئے تھے۔

اور ابھی تک ان کا قیام پاکستان میں تھا۔

دسویں کے بعد مہروز بھائی نے امی کو جذباتی طور پر مضبوط رہنے کے مشورے دینے کے ساتھ ساتھ انزلہ کی سب سے بڑی ذمہ داری کی طرف متوجہ کیا۔

شاویز نام کی امید کا دیا تو بجھ گیا تھا اور امی اتنی سوشل نہیں تھیں پھر بھی انہوں نے پاپا کی وفات سے پہلے والی کوششوں کا ذکر بھائیوں سے کیا تو وہ صاف صاف امی کو جتلا کر بولے تھے۔

''امی! ہمارا اتنی جلدی پاکستان کا دوبارہ چکر لگانا ممکن نہیں ایک ہزار ڈالر کا ٹکٹ ہے اور پوری فیملی کے ساتھ بار بار ممکن نہیں......شہروز بھی سڈنی سے نہیں آسکتا۔ اس کا بھی نیا نیا بزنس ہے اور فیروز بھی لندن میں اپنا بزنس شروع کر رہا ہے کم از کم پانچ سال تک تو ہم میں سے کوئی نہیں آسکتا......بہتر یہی ہے چالیسویں کے فوراً بعد آپ انزلہ کی شادی کر دیں۔'' مہروز بھائی نے صاف، سیدھی اور دوٹوک بات کی تھی۔

اور امی خاموشی سے بیٹوں کی باتوں پہ سر ہلاتی رہیں۔ لیکن انہوں نے اتنا ضرور کہا تھا۔ ''اتنی جلد رشتہ کہاں سے ملے گا۔ جو نظر میں ہیں وہ کسی قابل نہیں۔ انزلہ کو ایسے تو نہیں اٹھا کر پھینک سکتی۔'' امی کی آواز دھیمی اور بوجھل تھی رکیا تھا۔ جو شاہ ویز سے رشتہ ہوجاتا اور ان کے ملال کو شہروز بھائی نے اور بھی ہوا دی تھی۔

''ونیزہ تائی نے بھی پھوپھو کے گھر رشتہ کرلیا۔ ہمارا سوچا تک نہیں۔''

یہ بات کہتے ہوئے وہ قطعاً بھول گئے تھے کہ انہوں نے بھی اپنے اپنے ''دل'' کو آباد کرتے ہوئے ونیزہ تائی کی صدف کو نہیں سوچا تھا۔ جس کی کم روئی کے سبب ونیزہ تائی سالوں پریشان رہیں۔ دو سال پہلے اس کی بمشکل شادی ہوئی تھی۔ خاصی مڈل کلاس فیملی میں۔ لڑکا جامعہ سرگودھا میں پڑھا رہا تھا۔ دقیانوسی

خاندان تھا۔ دیہی ماحول بس لڑکا اچھا تھا اور صدف بہت خوش تھی۔ اسی لیے کم کم ہی لاہور آتی تھی۔

انزلہ نے تو صرف ایک ہی مرتبہ صدف کا سسرالی گاؤں اور گھر دیکھا تھا۔ اور اس کے بعد توبہ کر لی۔ چھوٹا سا گھر، بھانت بھانت کے لوگ، ناکافی سہولیات اور ان سب میں مخصوص دیہی اور اجڈ پن کی چھاپ۔ کہاں صدف ڈیفنس کے خوب صورت بنگلے میں رہنے والی اور کہاں چک ستاسی۔

پھر بھی تائی اور صدف بہت خوش تھیں یا حالات پہ صابر و شاکر۔ صدف میں انزلہ جیسا طنطنہ اور نخرہ نہیں تھا۔ اسی لیے وہ چک ستاسی کے دیہی سادہ لوح لوگوں میں رچ بس گئی تھی۔

جو ڈائننگ ٹیبل پہ کھانا کھانے کے بجائے چارپائیوں اور چوکیوں پہ بیٹھ کر کھانا کھاتے اور حقہ گڑگڑاتے تھے۔

انزلہ کو ایسی وحشت ہوئی کہ وہ لاڈلی، دلاری صدف کے ولیمے پہ ہی دوبارہ ادھر نہ جانے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ اسے آج بھی صدف کا ولیمہ یاد تھا......اور ولیمے پہ ہونے والی لڑائی بھی۔

کس قدر چھوٹی اور معمولی باتوں پہ وہ لوگ لڑتے جھگڑتے اور ہاتھاپائی پہ اتر آتے تھے۔

علیم کی تائیوں اور چاچیوں میں زردہ نہ ملنے پہ لڑائی ہوگئی تھی اور یہ لڑائی اتنی بڑھی کہ پنڈال میں ہی انہوں نے ایک دوسرے پہ برتن، پلیٹیں، گلاس اچھالنے شروع کردیے تھے۔ یہ تو علیم کے ابو نے معاملہ سنبھالا تھا ورنہ جانے کیا سے کیا ہوجاتا۔

واپسی پر انزلہ نے صدف کے سسرالیوں کا اتنا مذاق اڑایا، اتنی باتیں بنائیں کہ شاہ ویز کو اسے ٹوکنا پڑا۔

''پتا نہیں تائی نے کیا سوچ کر صدف ایسے ال ہڑ، جنگلی اور بدتہذیب لوگوں میں بیاہ دی اور جانے ایسے وحشت ناک ماحول میں صدف کیسے رہے گی۔'' اس نے کانوں کو ہاتھ لگائے تو شاہ ویز نے تیکھی نگاہ سے اسے گھورا تھا۔

''والدین اپنے بچوں کے لیے اچھا ہی فیصلہ کرتے ہیں۔ یقیناً امی کا فیصلہ بھی بہت اچھا ہے۔ پھر علیم ایسا خوب صورت اور لائق ہے......باقی باتیں کیا حیثیت رکھتی ہیں۔'' اس کا انداز تھوڑا روکھا ہوگیا تھا۔ تب آپی نے اس کو ٹہوکا دے کر چپ رہنے کا اشارہ دیا۔ لیکن وہ انزلہ ہی کیا جو چپ رہ جاتی۔

''چاہے جتنا بھی ایجوکیٹڈ ہے، رہے گا تو دیہاتی......دیکھا نہیں۔ آج کل تو لڑکے یونی ورسٹی سے گھوم آئیں تو اتنے اسٹائلش ہوجاتے ہیں اور وہ یونی ورسٹی میں پڑھا رہا ہے۔ ڈریسنگ دیکھی تھی اس کی۔ اپنے ولیمے پہ کھدر کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ تائی نے اتنے چاؤ سے بلیک ڈنر سوٹ خریدا تھا۔ جسے اس نے پہنا ہی نہیں۔''

''جب میں سیکنڈ ٹائم علیم سے ملنے اس کی یونی میں گیا تب وہ ویل ڈریسڈ تھا۔ بلیک ٹو پیس میں......انتہائی خوش اخلاق اور نفیس......مجھے بہت پسند آیا......میری امی کو پسند آیا۔ میری بہن کو پسند آیا تو باقی لوگوں کی ''پسند'' ناپسند کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔''

لاجواب ہونا تو انزلہ نے سیکھا ہی نہیں تھا۔ ''ساری بات تو ماحول کی ہوتی ہے۔ اسٹیٹس کی ہوتی ہے۔ اب دیکھیں نا۔ بس ایک علیم بھائی ہیں ان سب میں کچھ بہتر، باقی لوگ تو توبہ......ناقابل برداشت قسم کے ہیں۔ علیم سے بڑے عظیم بھائی اور ان کی زوجہ......پرائمری سکول کی اجڈ سی ٹیچر اور خود عظیم بھائی اسکول ہیڈ ماسٹر۔'' اس نے بڑے ہی بے رحم انداز میں تبصرہ کیا تھا۔

شاہ ویز اسے تاسف سے دیکھتا رہ گیا......کیسی ''سطحی'' سوچ تھی اس کی......اسے بے حد افسوس ہوا۔

''شاید تمہاری نظر علیم اور عظیم سے آگے نہیں بڑھ سکی۔ اسی پنڈال میں علیم کے دو اور چھوٹے بھائی بھی تھے۔ ایک نے ابھی مقابلہ کا امتحان دیا ہے اور ایک آرمی کا کیپٹن ہے۔ اس سے چھوٹا بھی یونی ورسٹی میں زیر تعلیم ہے البتہ دونوں بہنیں اتنی پڑھی لکھی نہیں۔ بڑی تو سب بہن بھائیوں سے بڑی ہیں ان کی اولاد بھی جوان ہے۔ تقریباً سب سے چھوٹی شاید

دسویں میں ہو گی...... اور تم برائے مہربانی ان لوگوں کے بخیے ادھیڑنے بند کرو۔"

شاہ ویز کا انداز درست ہوا تو انزلہ کو بھی زبان دانتوں تلے دبانی پڑی تھی۔ اسے تو صدف کے ولیمے میں کوئی خاص الخاص ہستی دکھائی نہیں دی تھی۔ نہ کوئی سول سرونٹ اور نہ کوئی آرمی کا کیپٹن، کوئی ایک بھی اپنی وضع قطع سے اچھی پوسٹ پہ کام کرنے والا دکھائی نہیں دیتا تھا۔

صدف شادی کے بعد بہت کم آتی تھی۔ انزلہ کی صدف سے بہت بنتی تھی۔ لیکن شادی کے بعد صدف بہت مصروف ہو گئی تھی۔ صرف شاہ ویز کی منگنی پہ آئی تھی اپنی چھوٹی سی بیٹی کے ہمراہ...... اس کی بیٹی صدف پہ ہی تھی۔ ویسی ہی سانولی اور معمولی صورت گو کہ بہت صحت مند تھی اور پیاری لگتی تھی...... لیکن انزلہ کو کالے پیلے بچے پیارے نہیں لگتے۔

علیم کا سارا اجڈ اور بدتہذیب خاندان بلا کا گورا چٹا اور خوب صورت تھا۔ کیونکہ صدف کے سسر بہت گورے تھے، ایکسٹرا سفید اور گلابی...... ان کی سب اولاد تو ان پہ نہیں تھی تاہم علیم اور سب سے چھوٹی فاریہ اپنے والد پہ ہی تھے۔ انزلہ ان دونوں کے علاوہ صدف کے جیٹھ اور بڑی نند سے بھی ملی تھی۔ جو کہ علیم اور فاریہ کے الٹ تھے۔ اپنی والدہ ہی جیسے موٹے، بھدے، سانولے۔

شاید اس کے خیالات تائی تک بھی پہنچتے ہوں گے۔ تاہم تائی نے کبھی جتلایا نہیں تھا۔ وہ صلح جُو خاتون تھیں۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پہ دل میں کدورت نہیں رکھتی تھیں۔ لیکن جب تائی نے عائشہ کو شاہ ویز کے لیے مانگا تو انزلہ کے دل میں ان کے خلاف خوامخواہ کدورت بھر گئی تھی۔ اسے تائی کی محبت ڈھکوسلہ لگتی۔ تاہم وہ اپنی ناراضی کا اظہار کرنے سے قاصر تھی۔ کیونکہ اس عمل سے اس کی اپنی ہی سبکی ہوتی۔

پاپا کا چالیسواں بھی ہو گیا۔ تو آہستہ آہستہ انزلہ کے بھائی رخت سفر باندھنے لگے۔ امی اور آپی بوکھلا گئیں۔ ابھی تک انزلہ کا رشتہ کہیں بھی طے نہ پا سکا تھا جب اچانک ایک دن صدف، اپنی ساس، سسر اور بڑی نند کے ہمراہ آ گئی۔

اور اس کا مدعا جان کر ان کے پورے گھر میں بھونچال آ گیا تھا۔

☆☆☆

یہ بھونچال صرف انزلہ کی وجہ سے آیا تھا۔ باقی سب تو ایسے مطمئن اور خوش تھے جیسے انزلہ کے لیے اس سے بہتر لڑکا مل ہی نہیں سکتا تھا۔ جس طرح شاہ ویز علیم کی تعریفیں کر کر کے نہیں تھکتا تھا۔ اسی طرح انزلہ کے بھائی بھی زعیم کی تعریفیں کر کر تھک رہے تھے۔ وہ انہیں اتنا پسند آیا کہ فوراً ڈائریکٹ ہی ہاں کر دی۔ انزلہ کی انگلی میں شگن کی انگوٹھی سج گئی تب بھی اسے یقین نہیں آیا تھا کہ وہ بھی صدف کی طرح ایک دیہی پس منظر رکھنے والے ماحول کا حصہ بن گئی ہے۔

وہ ماحول جس سے انزلہ کو نفرت تھی۔ وہ لوگ جو اس کے معیار کے نہیں تھے۔ اس کی موٹی، بھدی بے ڈھنگی سی ساس اور اونچے لمبے تہبند میں ملبوس حقہ گڑگڑاتے سسر...... سر پہ پگڑی سجائے ہمیشہ کے لیے انزلہ کو اپنے بیٹے کے نام کروا گئے۔

انزلہ تو مارے دکھ، حیرت کے اثر سے نکل ہی نہ سکی تھی جب بھائیوں نے آنا فاناً تاریخ مقرر کر دی۔ گھر میں شادی کی تیاریاں چل رہی تھیں جب ایک دن صدف اور اس کی ساس، نند ایک مرتبہ پھر نازل ہو گئیں۔

امی اور آپی کے ساتھ ساتھ صدف کا بھی اصرار ہوتا تھا کہ وہ اپنی ساس اور نند کے پاس بیٹھی رہے۔ جب تک وہ لوگ یہاں رکتے، اس کی بڑی نند اس پہ واری صدقے اور نہال ہوتی رہتیں۔ کبھی اس کا ہاتھ پکڑ لیتیں۔ کبھی منہ چوم لیتیں آپا کی محبت کا یہ والہانہ انداز انزلہ کی بیزاری کو عروج پہ پہنچا دیتا تھا۔ آپا کے بدن سے اٹھتی۔ سستے پاؤڈر کی خوشبو سے اس کا جی متلانے لگتا۔

کہاں انزلہ جیسی خوشبوؤں میں مہکتی، دلفریب کلی...... سراپا حسن، سراپا نزاکت، سراپا غرور اور

کہاں یہ عام سے لوگ...... عام سا معیار زندگی رکھنے والے۔ کیا یہ لوگ انزلہ کے قابل تھے؟

عام سی ادیبہ کی کیسی اعلا قسمت نکلی۔ اسے اپنے نصیب پہ رونا آتا۔

کبھی وہ شاویز کو بڑے طنطنے سے کہا کرتی تھی۔ "اچھا شاہ ویز! کبھی تمہیں علیم بھائی کی فیملی کو اپنے سرکل میں متعارف کروانا پڑا تو تم کیا کرو گے؟"

تب شاہ ویز اس کے مذاق اڑاتے لہجے میں چھپے طنز کو سمجھ کر رسانیت سے جواب دیتا تھا۔

"کم از کم شرمندگی ہرگز محسوس نہیں کروں گا۔"

اور انزلہ اپنا سا منہ لے کر رہ جاتی۔

اور اب انزلہ بھی ایک ایسی ہی "فیملی" کا حصہ بننے جا رہی تھی۔ اس کی دوستیں، کزنز کتنا اس کا مذاق اڑاتیں...... خاص طور پر ادیبہ جس سے آج کل رابطہ منقطع تھا۔ اسے صدف کی شادی پہ اس کی ساس، نندوں کا مذاق اڑانا یاد آیا۔ ان کے اوور میک اپ، پراندے، بڑے بڑے جھمکے۔ فضول جیولری، بھڑکیلے کپڑے۔ اور آج پھر صدف کا اپنی "ٹیم" کے ہمراہ آنا اسے شدید ہیجانی غصے میں مبتلا کر گیا تھا۔ اوپر سے آپا کا اوور قسم کا پیار اور الفت لٹانا۔

تاہم ایک بات انزلہ نے کافی بعد میں نوٹ کی تھی کہ اس کی ساس جتنی اہمیت صدف کو دیتی تھیں اتنی انزلہ کو نہیں اور اسے لگتا تھا کہ ان کا رویہ بھی اکھڑا اکھڑا اور بیزار قسم کا ہے۔ دراصل صدف اس کے کپڑوں کا ناپ لینے اس دن انزلہ کے ساتھ ہی کمرے میں آئی تو انزلہ نے بہت چڑ کر اپنا نیا اسٹائلش سوٹ، اس کے منہ پہ مارتے ہوئے کہا تھا۔

"ایک ہی مرتبہ سب چیزیں لے جاؤ۔ کیا بہانے بہانے سے منہ اٹھا کر پورے "ٹبر" کو ساتھ لیے آ جاتی ہو۔" صدف اس کی بیزاری پہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"تمہیں کیا پتا...... تم کتنی قیمتی ہو۔ آپا ہماری تو آنکھیں ترس گئی ہیں تمہارے دیدار کے۔" صدف کا انداز ہلکا پھلکا قسم کا تھا...... انزلہ کا چڑھتا غصہ کچھ کم ہوا۔ اپنے حسن کی تعریف اس کو اسی طرح مغرور بنا دیتی تھی۔

"تمہاری آپا کے عاشقانہ رویّے سے میں عاجز آ چکی ہوں۔ کبھی کبھی مجھے لگتا ہے۔ میری شادی انہی سے ہونے والی ہے۔" صدف نے اس کے چڑچڑے انداز کو بڑا ہی انجوائے کیا۔

"تمہیں کیا خبر، آپا کی وجہ سے ہی تو تم ہمارے گھر جا رہی ہو پاگل۔ وہ تمہاری پکی عاشق ہو گئی ہیں۔ پورے خاندان کے سامنے تن کے کھڑی ہو گئیں، رشتہ لیں گی تو تمہارا ہی حتیٰ کہ اماں کو اور زعیم کو بھی ہتھیار ڈالنے پڑے...... آپا کا بہت رعب ہے ہمارے گھر پہ۔"

صدف نے سادگی سے بتا دیا۔ اور اپنے نخرے اور غرور میں انزلہ سمجھ ہی نہ سکی تھی کہ اماں اور زعیم نے کیوں ہتھیار اٹھا رکھے تھے؟ جو آپا کی ضد پہ ڈالنے پڑے۔

پھر صدف کی زبانی ایک دن انزلہ نے سن لیا تھا۔ اماں کا ابھی اسے بیاہ کر لے جانے کا ارادہ نہیں تھا۔ پتا نہیں کیا بات تھی، صدف نے کہا زعیم بھی کچھ "ٹال مٹول" کر رہا ہے۔ وہ تائی کو بتا رہی تھی۔ انزلہ نے یہ بات ان سنی کر دی۔ اسے نہ زعیم سے دلچسپی تھی نہ اس کی ماں سے نہ بہن سے۔ صدف نے زعیم کی تصویر اپنے موبائل میں دکھانی چاہی تھی تو انزلہ نے بےزاری سے موبائل پیچھے ہٹایا۔

"مجھے نہیں دیکھنی، میں دیکھ کر کیا کروں گی۔"

اس کا لہجہ بےزاری سے پُر تھا۔

"دیکھ لو، بڑے دیکھنے کی چیز ہے میرا دیور۔" صدف نے بڑا ہی اصرار کیا تھا۔ مگر وہ نخوت سے اکڑی رہی...... فوٹو دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا۔

ناراضی ماں سے تھی، بھائیوں سے بھی، آپی سے بھی...... اور اس کمینی صدف سے بھی...... جو اپنے بھائی کا رشتہ تو اکلوتی سہیلی کے لیے لا نہیں سکی تھی۔ اٹھا کر دیور کا لے آئی۔ وہ بھلا اسے دیہی ماحول میں رہ سکے گی۔ اتنا اجڈ اور گنوار خاندان...... گرمیوں میں

بستر لگا کر صحن میں سونے والے اور چارپائیوں پہ ڈنر تناول کرنے والے۔

اس کا احتجاج کرنا کچھ کام نہیں آیا تھا...... اور یوں شادی کا دن بھی آن پہنچا۔

☆☆☆

انزلہ اور شاہ ویز کی مہندی ساتھ ہوئی تھی۔ بھائیوں نے دل کھول کر پیسہ خرچ کیا اور جہیز بھی صدف کی ٹکر کا دیا، مگر وہ خوش نہیں تھی۔ آخر یہ سب جو اسے دیا جا رہا تھا۔ جانا کہاں تھا؟ چک ستاسی میں، اتنے سے معمولی گھر میں۔ کیا ضرورت تھی اتنا مہنگا فرنیچر لینے کی۔ اس کا تو بیڈ روم سیٹ ہی آنکھوں کو خیرہ کر رہا تھا۔

شاہ ویز کے ولیمے میں اس کی بارات آ رہی تھی۔ انزلہ کا دل ہولا جا رہا تھا۔ اسے صدف کی شادی کا ایک ایک منظر یاد آ رہا تھا۔ ویسی ہی بدمزگی، جاہل، بدتہذیب، اجڈ لوگ...... کھانے پہ ٹوٹ پڑنے والے۔ سستے میک اپ، بھڑکیلے لباس، تیز خوشبوئیں، نہ گفتگو، نہ لباس نہ زبان، نہ تہذیب۔

واپسی کا سفر بڑا تھکا دینے والا، بیزار کن، بوجھل اور فضول تھا۔ وہ جس گاڑی میں تھی اس میں دلہا ندارد تھا۔

"زعیم کہاں ہے؟" آپا صاحبہ نے سترہ مرتبہ سوال دہرایا تھا۔ اور کوئی اٹھارویں مرتبہ آپا صاحبہ کے بھائی نے بڑے تحمل سے جواب دیا۔

"وہ میثم کے ساتھ ہے...... اماں اور ابو جی کی گاڑی میں۔"

"اس نے میرے سر میں سواہ (خاک) ڈلوا کے ہی دم لیا۔ کتنا کہا تھا۔ ہمارے ساتھ بیٹھنا...... پر نہ جی انا پہ حرف آ جاتا، ناک نیچی ہو جاتی، ساری اماں کی پشت پناہی ہے۔ اس کی پیٹھ کو ٹھوکتی ہیں ایمان سے۔" آپا صاحبہ، بھائی صاحب کے ساتھ ساتھ والدہ ماجدہ سے بھی بدگمان لگ رہی تھیں۔

"میرے ساتھ "شریکوں" جیسا سلوک کر رہا تھا۔ پورا دن بولا نہیں۔ میرا لایا سہرا نہیں پہنا۔ شیروانی کو دیکھا تک نہیں۔ کھسے پہ نظر نہیں ڈالی۔ میرے ارمانوں کو "سواہ" کر کے پینٹ شرٹ کو کس لیا۔ وہ بھی ہزار تلوں سے۔" آپا کا بھونپو آن تھا۔ اور انزلہ کے سر میں درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ آپا کا "زعیم نامہ" ختم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔

انتہائی دیدہ زیب لباس میں، خوشبوؤں سے مہکتی دلہن کو آپا اور صدف نے بڑے ناز کے ساتھ گاڑی سے اتارا تھا۔ اسی وقت کیمرے الرٹ ہو گئے۔ مووی میکر چوکنا...... دودھیا روشنیاں بکھر رہی تھیں۔ گاؤں کی عورتوں کا ہجوم اسے دیکھنے کو بے تاب تھا۔

"رومانہ! دلہن کا گھونگھٹ تو الٹ دو۔" آپا اسے عورتوں کے جمگھٹے سے کسی چوزے کی طرح دبوچ کر اندر کی طرف بڑھ رہی تھیں جب عورتوں کے اصرار اور چیخ و پکار پہ آپا کو رکنا پڑا۔ پھر ایسا شور مچا کہ آپا کے ساتھ ساتھ انزلہ کو بھی کان دبانے پڑے۔

"اینی سوہنی؟"

"دودھ میں دھوئی۔"

"اینی چٹی...... جیسے میدہ۔"

"زعیم کی دلہن...... رج رج سوہنی، رومانہ تو تو لاہور لوٹ لائی ہے۔"

اور آپا صاحبہ کی ہر تعریفی جملے پہ گردن اونچی ہو رہی تھی۔ میثم، سائم اور نعیم اس کے آس پاس تھے اور زعیم جو اس کا دولہا تھا۔ وہ اب بھی کہیں نہیں تھا۔

انزلہ کو پہلی مرتبہ زعیم کا خیال آیا تھا اور اس خیال نے عجیب سی بے چینیاں اس کے اندر بھر دی تھیں۔

تب اس کے دیور نعیم نے کسی خاتون کو مطمئن کرتے ہوئے کہا۔

"تائی جی! زعیم اپنے دوستوں کو سی آف کر رہا ہے...... انہیں آج ہی کشمور کے لیے نکلنا تھا۔" جانے یہ بہانہ تھا یا حقیقت، تاہم نعیم نے اپنی تیز طرار "تائی جی" کو چپ ضرور کروا دیا تھا۔

یہ وہی تائی جی تھیں جو صدف کے ولیمے پہ لڑائی میں پیش پیش تھیں۔ اپنی آواز سے ہی وہ ہوشیار اور

جنگجو دکھائی دیتی تھیں۔

اللہ اللہ کر کے اسے ایک برآمدے میں بٹھا دیا گیا تھا۔ انزلہ کی اکڑی کمر تختہ سی ہونے لگی۔ جی چاہتا تھا فرش پہ لیٹ جائے۔

صدف اب بھی نجانے کہاں تھی۔ شاید میاں جی کے لاڈ اٹھا رہی تھی۔ ایک تو یہ صدف بھی نا، بڑی بے وفا نکلی تھی۔ اتنے اجنبیوں کے چنگل میں اسے پھنسا کر غائب ہو چکی تھی۔ کچھ دیر بعد صدف کا نزول ہوا۔ وہ انزلہ کے کانوں میں جھکی تھی۔

"الٹیاں کر کر کے میری پسلیاں ٹوٹ گئی ہیں۔ طبیعت سخت خراب ہے۔ برا مت ماننا انزلہ! میں تمہیں ٹائم نہیں دے سکی۔" وہ شرمندہ بھی تھی اور اس کے لیے متفکر بھی۔ اس کی آواز سے لگ رہا تھا۔ وہ ٹھیک نہیں۔

"تو کم ٹھونسنا تھا نا اپنے بھائی کے ولیمے پہ۔" انزلہ نے بھی گھرک کر جتلایا تھا۔

"تین تین رشتے تھے۔ ایک بھائی کا ولیمہ، ایک کزن کی بارات، ایک دیور کی شادی...... تو تینوں کے حصے کا تھوڑا تھوڑا کھانے سے ہی "حشر" ہو گیا۔" صدف نے کھلکھلا کر کہا تھا۔

یہاں آ کر وہ کچھ زیادہ ہی مسخری ہو گئی تھی۔ ہر وقت ہنسی، مذاق، طنز، نوک جھونک...... وہ کتنی پر اعتماد ہو چکی تھی۔ انزلہ کو اب اندازہ ہو رہا تھا...... اور صدف اپنی سسرال میں خاصی مقبول بھی تھی۔ کیونکہ ہر کوئی "صدفی بھابھی" صدفی پتر کی گردان کر رہا تھا یعنی نام بگاڑنے میں ان لوگوں کو کمال حاصل تھا۔

پھر یوں ہوا کہ ایک پلٹن اس کے سر پہ سوار ہو گئی...... ان میں کون کون شامل تھا۔ نعیم، میثم، صائم (بھانجا) اور بھی جانے کون کون پھر عظیم بھائی اور علیم بھی پہنچ گئے۔

ان لڑکوں نے "نیگ" کے نام پر انزلہ کو اتنا تنگ کیا کہ اسے دانتوں پسینہ آ گیا۔

"بھابھی! ہم خالی ہاتھ جانے والے نہیں ہیں۔ بلکہ ہو آپ کے کمرے میں دھرنا دے لیں۔ پھر آپ برآمدے میں قیام فرمانا۔ آپ کا کمانڈو بیٹھک میں سوئے گا اور ہم آپ کی خواب گاہ میں آرام کریں گے...... فیصلہ کریں ابھی کے ابھی...... بیس ہزار نیگ یا کمرہ بدر ہونا منظور ہے!" میثم نے کسی گھاگ سیاست دان کی طرح اپنا مطالبہ اس کے سامنے رکھا تو انزلہ کو کھڑے کھڑے چکر سا آ گیا۔

"بیس ہزار؟" اس کے پاس تو اتنی رقم تھی ہی نہیں پھر ان کے رواج بھی عجیب تھے۔ بھلا دیور بھی نیگ لیتے تھے؟ اب وہ کرے تو کیا کرے؟ پھر ان لوگوں کو علیم نے ہی مشورہ دیا۔

"احمقو! اپنے کمانڈو کو تو آ لینے دو۔ اس کی جیب ہلکی کرواؤ۔ انزلہ بے چاری کو کیوں تنگ کر رہے ہو۔"

علیم کا مشورہ ان لوگوں کو بھا گیا تھا۔ معاً برآمدے میں کوئی اور بھی پہنچ گیا۔ کیونکہ ہجوم میں رنگ رنگ کی بولیاں، سیٹیاں اور ہوٹنگ شروع ہو چکی تھی۔ انزلہ کو فوراً ہی اندازہ ہو گیا۔ آنے والا زعیم ہی تھا۔ کچھ دیر بعد کسی کی بھاری، دھیمی، سنجیدہ اور بارعب سی آواز ابھری تھی۔

اس کے رعب داب اور قدموں کی دھمک سے اندازہ ہوتا تھا۔ آنے والا پاک فوج کا کوئی جوان ہی ہے۔ تو یہ تھا کیپٹن زعیم عباس......

"یہ کیا "تماشا" لگا رکھا ہے۔" اس کا لہجہ روکھا اور آواز سرد تھی۔ برف سی، ٹھنڈی ٹھار، انزلہ کی ہڈیوں میں جیسے ٹھنڈک اتر سی گئی۔

"یہ تماشا نہیں...... آج تمہاری شادی ہے۔" علیم نے مسکرا کر اپنے بھائی کو جیسے یاد دلانا چاہا تھا۔ پھر اس کے جملے کو عظیم نے اچک لیا۔

"نہیں یار! آج تمہاری آزادی کی "بربادی" ہے۔" عظیم کی بات پہ ایک قہقہہ پڑا تھا۔ جس میں سب سے اونچی آواز عظیم کی بیگم نازو کی تھی۔

"اچھا...... اچھا، تو آج تمہیں یہ سب "تماشا" لگ رہا ہے؟ بھول گئے عظیم بھائی اور علیم کی شادی کو۔ اتنا زیادہ وقت تو نہیں گزرا نہ تمہاری یادداشت

کمزور ہے۔ پھر بھی میں تمہیں یاد دلاتا ہوں۔ نازو بھابھی سے تم نے پورے دس ہزار نکلوائے تھے اور علیم کی دفعہ پچیس ہزار اور اس دس ہزار میں تم نے ہمیں صرف ایک ایک سو روپیہ دیا تھا۔ باقی سب ہڑپ کر لیے اور علیم سے ہتھیائے ہوئے پچیس ہزار تم لے کر اپنے دوستوں کے ساتھ کاغان گھوم آئے۔ ہمیں پھوٹی کوڑی بھی نہیں دی تھی۔" میثم کو جانے کیا کچھ یاد آیا تھا اور اس نے اگلے پچھلے سارے حساب پورے کر دیے۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہیں ......وہ ایک ایک سو روپیہ بھی کیوں دیا؟ تم لوگ تو اس "بابرکت" سو سو روپے لینے کے بھی قابل نہیں تھے۔" زعیم کی آواز میں سنجیدگی نما تاسف تھا۔ اس کے جواب پہ ایک ہنگامہ مچ گیا۔ میثم اور نعثم لڑنے مرنے پہ اتر آئے تھے اور صائم دیوار چین بن کر بیڈ روم کے دروازے میں ایستادہ تھا...... یعنی آگے رستہ بلاک تھا۔ اور اس کے تیور خطرناک۔

"ماموں! اس کمرے میں آنا ہے تو میری لاش پر سے گزر کر آنا ہوگا۔ ورنہ پیسے لیے بغیر میں نہیں ٹلوں گا۔" صائم نے سلطان راہی کی طرح بڑھک ماری، لیکن بھلا ہو زعیم کی باتونی آپا کا۔ جو بروقت انٹری مار کر انزلہ کے لیے رحمت کا فرشتہ ثابت ہوئی تھیں۔

"ان بچوں کی خوشی پوری کرو۔ نکالو بیس ہزار...... پانچ پانچ لڑکے لیں گے۔ باقی پانچ لڑکیاں بانٹ لیں گی۔"

"دیکھ لیں آپا! بندہ دیکھ کے قیمت لگتی ہے بیس ہزار زیادہ ہے۔" یہ زعیم تھا اور وہ کسے سنا رہا تھا؟ انزلہ کو؟ وہ جیسے سُن ہو گئی تھی۔ بے عزتی کے احساس سے انگ انگ میں شرارے پھوٹ پڑے تھے۔

"میری انزلہ کو تو ہیروں میں تول دو۔ تب بھی مول نہ پڑے۔" یہ ان کی محبت کی انتہا تھی یا سوچ۔ بس انہوں نے اپنی عقل کے مطابق جواب دیا تھا۔ لیکن انزلہ کے دل میں گرہ پڑ گئی۔ تو یہ لوگ اس کی قیمت لگا رہے تھے۔ اس نے آگے بڑھ کر صائم کو تن کے اشارہ کیا...... اس کے لہجے میں غصہ، تنفر، زہر اور جانے کیا کچھ تھا۔

"ہٹو۔" اس کا انداز بڑا بے لچک، ٹھوس اور سخت قسم کا تھا۔ جس پر ہنستا مسکراتا صائم پہلے تو ہونق ہوا اور پھر میکانکی انداز میں رستے سے ہٹ گیا۔ لمحہ بھر کے لیے سکوت طاری ہو گیا تھا۔ اس غیر معمولی سچویشن کو آپا نے ہی آگے بڑھ کر سنبھالا تھا اور پھر انزلہ کو لے کر اندر چلی گئیں۔

انزلہ کے منظر سے ہٹتے ہی پھر سے ایک ہنگامہ مچ گیا۔ ہر کوئی اپنی بولی بول رہا تھا۔

"زعیم دی، ووہٹی دا اینا غصہ؟"

"نخرہ تے ویکھو اللہ دی پناہ۔"

اور کسی بڑی بی نے تو انتہا تک پہنچتے ہوئے پیشن گوئی بھی کر دی تھی۔

"ایسی کڑی نے نہ وسایا زعیم دا گھر۔"

جتنے منہ تھے اتنی ہی باتیں تھیں۔ اور زعیم نے ایک ایک تبصرے کو کان میں اتارا تھا۔ ایک ایک لفظ کو سنا تھا...... اور اسی حساب سے اس کی پہلے سے چڑھی تیوری کے بلوں میں اضافہ بھی ہو رہا تھا...... حالانکہ رومانہ نے اسے کتنی ہی قسمیں دے کر منہ بند رکھنے کی اور درگزر سے کام لینے کی التجا کی تھی۔

اس نے خاموشی کے ساتھ آپا کی ہر ہدایت کو سن لیا تھا اور آپا کا لجاجت سے تھمایا تحفہ بھی پکڑ لیا۔ مگر اس کے تیور اچھے نہیں لگ رہے تھے۔

☆☆☆

بارات واپس آئی تو انزلہ کو برآمدے میں گھاگ عورتوں کے چنگل میں چھوڑ کر وہ ہانپتی کانپتی بیٹھک میں آئیں تو زعیم انہیں موبائل کان سے لگائے کسی سے باتوں میں مصروف نظر آ گیا تھا۔ رومانہ کو بڑا ہی غصہ آیا۔ آپا کے تیور دیکھ کر وہ گہرا سانس کھینچتا سیدھا ہو گیا۔ وہ جتنا بھی بد دماغ اور موڈی سہی، کم از کم آپا کے احترام میں کمی نہیں لا سکتا تھا۔ اور نہ ہی ان کے حکم سے انحراف کر سکتا تھا۔

"نہ میرے ویرا! نہ تم ادھر انزلہ کے ساتھ آ کے بیٹھے۔ نہ فوٹو بنوائی۔ نہ کوئی رسم تم نے کرنے دی۔

وچاریاں دودھ کا گلاس ہاتھ میں پکڑے اپنا سا منہ لیے رہ گئیں...... تم نے اتھرے سانڈ کو بھی مات دے دی۔ چلو ادھر کا ٹیم گزر گیا۔ اب یہاں تو میرے چونڈے کا لحاظ کر جاتے...... تمہیں احساس نہیں پوری برادری میں چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں...... زعیم اس ویاہ پہ تیار نہیں تھا۔ میں نے زبردستی کی۔"

رومانہ جو ایک سانس میں شروع ہوئیں تو اگلے پچھلے سارے حساب بے باق کر دیے تھے۔ زعیم تیکھے تیوروں سے ساری بات چپ چاپ سنتا رہا تھا۔ پھر جب رومانہ کی ساری بھڑاس نکل گئی تو اس نے لب کشائی کی۔

"برادری والے آنکھیں، کان، دماغ رکھتے ہیں۔ اگر وہ چہ میگوئیاں کر رہے ہیں تو کرنے دیں۔ آپ کا کیا جاتا ہے؟ ویسے بھی کون سا غلط کہتے ہیں۔ کیا آپ نے اپنی "من مانی" نہیں کی؟......" اس کا سنجیدہ سا نپا تلا جواب رومانہ کو قدرے لاجواب کر گیا تھا۔

"چلو، میں نے بڑی بہن ہونے کے ناتے اپنا حق استعمال کیا۔ دعوے کے ساتھ کہ تم میری کبھی نہیں ٹالو گے۔ میں نے زبردستی تمہارا ویاہ کر دیا۔ تو تم زبردستی اب "نباہ" بھی کر دیتے۔" کچھ دیر بعد وہ پھر سے "فارم" میں آ چکی تھیں۔

"تو آپ کی خوشی پوری تو کر دی ہے...... اور نباہ بھی کروں گا اور کیا چاہتی ہیں آپ۔" وہ چڑ گیا تھا۔ آپا کی اس تقریر کا مقصد سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

"اچھا "نباہ" ہے۔ وہ ادھر اکیلی بچوں کے نرغے میں پھنسی ہے۔ تم یہاں فون پہ عالمی مسائل حل کرنے میں جُتے ہو...... کیا سوچے گی وہ۔ نہ کوئی گرم جوشی نہ کوئی پُرشوق استقبال۔"

"اس کے ذہن پہ آپ سب کے متعلق پہلے بھی کوئی اچھا اثر نہیں۔ دیکھا نہیں اس کا نخرہ، غرور جیسے کسی نواب کی اولاد ہو۔" زعیم نے زہر خند لہجے میں کہا تھا۔

"میں نے آپ کو ہر بات کھل کے سمجھائی تھی مگر بھوت سوار تھا آپ کے سر پہ تو اس نواب زادی کو لانے کا...... اب اپنے "ارمان" اور "شوق" پورے فرمالیں۔ امید ہے جلد ہی وہ آپ کو سرتاپا "ٹھنڈا" کر دے گی۔ ابھی تو ٹریلر ہے۔ پوری فلم ہنی مون پریڈ میں دیکھیے گا...... اس کی اعلا زبان کے جوہر۔" زعیم کے لہجے میں عجیب سی بیزاری اور بے رخی تھی۔

وہ صدف کی اس کزن سے کسی قیمت پہ بھی شادی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس شدت کے انکار اور بیزاری کے پیچھے کیا کچھ چھپا تھا یہ کوئی بھی نہیں جانتا تھا۔

لیکن جب آپا کا اصرار، ضد اور مان بھرا دباؤ بڑھتا گیا۔ اس نے ہتھیار ڈال دیے۔ تو زعیم عباس ہر ایک کے سامنے تن کر کھڑا ہو سکتا تھا مگر اپنی آپا کے سامنے ہرگز نہیں اور اسے یقین تھا کہ اس کے الٹرا ماڈ بھائی کبھی اس رشتے پر رضامند نہیں ہوں گے اور وہ صاف انکار کر دے گی لیکن ایسا نہیں ہوا تھا۔ سارے ہتھیاروں سے "لیس" ہو کر اس کے گھر میں آ چکی تھی۔

"اب اٹھ جا زعیم! چل اپنی دلہن کے پاس ادھر "لاگوں" (نیگ) کا سلسلہ مکا...... تیرے بھائی اس کا ناک میں دم کر رہے ہیں۔" آپا نے اسے برآمدے سے اٹھتے شور اور نیگ کے لیے "دھرنا" دینے والوں کی ہاہاکار کی طرف متوجہ کیا تو وہ ٹھنڈی سانس بھر کے رہ گیا تھا۔

"اور اس میں اتنی برداشت نہیں ہو گی۔ جو میرے بھائیوں کے مذاق کا بار اٹھا سکے۔" طنزیہ انداز میں کہا ہوا وہ بادل نخواستہ اٹھ گیا۔ اس کے اٹھنے پہ آپا نے خوش ہو کر ایک مخملی ڈبیا اس کی طرف بڑھائی تھی۔

"اب یہ بھی کرنا ہوگا؟" زعیم کا موڈ آف ہو گیا۔

"نہیں ...... اس کام کے لیے اپنی "فوج" کو بلا لو۔" آپا نے چڑ کر کہا تھا۔

"فوج کیوں؟ اس نک چڑھی بلا کے لیے میں اکیلا ہی کافی ہوں۔" زعیم نخوت سے بولا تھا۔

"جا میرے شیر! اب جا بچہ ورنہ تیری تائی اور میری ساس ہمارا دماغ پلپلا کر دیں گی الٹے سیدھے

سوال کر کر کے۔'' آپا نے لہجے میں مزید لجاجت بھر لی تھی۔ زعیم پل بھر کے لیے سوچتا رہا تھا۔ پھر اس نے فیصلہ کن انداز اپنا کر آپا کو جتا دیا۔

''دیکھ لیں آپا! اگر اس نے کچھ الٹا سیدھا کہا...... ادھار رکھنے کا میں قائل نہیں ہوں۔ میرے مزاج کو جانتی ہیں آپ۔'' اس کا انداز صاف دھمکانے والا تھا۔

''زعیم!'' آپا دہل گئی تھیں۔

''وہ ایک دن کی دلہن تجھے کیا کہے گی؟ اور خبردار جو تم نے اسے کچھ کہا۔ ابھی سے یہ ارادے ہیں۔ ہائے میں کہاں جاؤں۔'' آپا سخت ہراساں ہو گئی تھیں۔ زعیم نے ان کے ''دہلنے'' کا نوٹس نہیں لیا تھا۔ وہ قمیص جھاڑتا ہوا اٹھ گیا اور آپا کی تقلید میں برآمدے تک پہنچ گیا۔

اسے دیکھ کر کچھ منچلوں نے معنی خیز قسم کی ہوٹنگ کی تھی اور کچھ سیٹیاں بجانے لگے تھے۔ ان کی اس تکرار اور مذاق کے سب ہی عادی تھے۔ شادیوں میں سب ہی اکٹھے ہوتے تھے اور یوں یہ سارے کزنز مل بیٹھ کر خوب رونق لگاتے۔ اصل تو جان محفل زعیم ہوا کرتا تھا۔ ہر ایک کی شادی میں غل غپاڑہ یہی مچاتا۔ عظیم بھائی کی شادی میں اس نے نازو کو کمرے میں بند کر کے باہر سے تالا لگا دیا تھا۔ اور چابی تب عظیم کے حوالے کی تھی جب نازو نے دس ہزار دینے کی ہامی بھر لی۔

اور علیم کے ساتھ تو اس نے اور بھی برا کیا تھا۔ اسے زبردستی گاڑی میں بیٹھا کر جامعہ سرگودھا چھوڑ آیا۔ جہاں رات کے وقت سواری کا ملنا ممکن نہ تھا۔ وہ بڑی مشکلوں سے دھکے کھا کر اپنے گوٹھ پہنچا تو زعیم صاحب صدف سے مطلوبہ رقم نکلوا کر خود منظر سے غائب ہو چکے تھے یوں علیم آدھی رات تک زعیم کو گالیاں دیتا رہا۔

وہی زعیم اپنی شادی پہ اتنا خفا، ناراض اور اکھڑا اکھڑا تھا۔

سو بہت سے لوگ چہ مگوئیاں کر رہے تھے۔ کچھ کے دبے دبے تبصرے تو کچھ کا کھلم کھلا اظہار خیال۔ حتیٰ کہ سارے بھائیوں کو زعیم کی ''ناپسندیدگی'' کی پوری پوری خبر تھی۔ مگر انزلہ کے مزاج سے ناواقف تھے۔

گھونگھٹ کی اوٹ میں چھپی انزلہ نے شدید جھلاہٹ، تنفر اور غصے میں صائم کو رستہ چھوڑنے کا حکم دیا تھا۔ وہ تو ابھی مامی کے حکم اور لب و لہجے کی ترشی پہ ہکا بکا تھا جب اچانک میثم نے آگے بڑھ کر انزلہ کے ہاتھ سے سنہرا کلچ جھپٹ لیا۔ یہ بالکل اچانک واردات تھی۔ انزلہ ہائی ہیل میں تھوڑا لڑکھڑا گئی تھی۔ تب ہی عظیم بھائی کے چھوٹے بیٹے نے اس کا گھونگھٹ پکڑ کر کھینچا۔ انزلہ کا پہلے سے کھولا دماغ پوری شدت کے ساتھ گھوم گیا تھا۔ ایک زوردار تھپڑ کی گونج اٹھی تھی جس نے پورے برآمدے میں سکوت طاری کر دیا تھا۔ یوں لگا جیسے پورے برآمدے میں ایک بھی ذی نفس نہ ہو۔ ایک دم موت کا سا سناٹا چھا گیا تھا۔ عظیم بھائی کا بیٹا چکرا کر گرا تھا جبکہ انزلہ کے الفاظ نے حاضرین کی آنکھیں کھول دی تھیں۔ اور کانوں سے دھواں نکال دیا تھا۔

''واٹ نان سینس۔ کس قدر بدتہذیب ہو تم۔ یو شڈ بی آشیمڈ آف یور سیلف۔ اجڈ، دیہاتی! اگر میں گر جاتی!''

انزلہ کے منہ میں جو الٹا سیدھا آیا، اس نے بول دیا۔ اپنے گھر والوں کا غصہ، زبردستی کی شادی، رسومات، لمبا سفر، تھکان، الجھن، بھانت بھانت کے لوگوں کی بولیاں۔ اس کا سارا جمع شدہ غصہ ایک دم الٹ پڑا۔ اپنی خودی اور گھمنڈ میں نخوت سے ایک ایک ہراساں چہرے کو دیکھتی وہ آگے بڑھ گئی تھی۔ صائم دروازے سے کب کا ہٹ چکا تھا۔ ہر کوئی میثم کو دیکھ رہا تھا۔ جو شدید خجالت، شرمندگی اور تاسف میں ڈوبا کھڑا تھا۔ جسے وہ بڑے غرور کے عالم میں ''اجڈ، دیہاتی اور جاہل'' کہہ کر اندر کی طرف بڑھ رہی تھی۔

وہ میثم عباس جو ضلع منڈی بہاؤالدین میں اس وقت دیوانی یعنی سول عدالت میں جونیئر سول جج تھا۔ اتنا لائق اور قابل اس ساری بدترین سچویشن کو آپا نے بڑی مشکل کے ساتھ قابو میں کرتے ہوئے انزلہ کو گھسیٹ کے کمرے میں بھیجا۔ یہ تو شکر تھا اماں دوائی کھا کر سو چکی تھیں ورنہ قیامت تو ابھی آ جاتی۔ اماں تو انزلہ کو کسی بھی قیمت پہ کبھی نہ بخشتیں اور جب مجمع چھٹنے لگا تب میثم کی بڑبڑاہٹ نے آپا کے اندر پھانس چبھو دی تھی۔

''زعیم ٹھیک ہی کہتا تھا۔ یہ ہمارے قابل نہیں تھی۔''

☆☆☆

آدھے مہمان جا چکے تھے اور آدھے ابھی قیام پذیر تھے۔ جنہوں نے اس خبر کو مسالے کے ساتھ بہت آگے تک پہنچا دیا تھا۔

''مل گیا رومانہ کو سواد، بڑے گھر کی چھوٹے دل اور چھوٹی سوچ والی لڑکی گھر لا کر...... آتے ہی ''اوقات'' دکھا دی۔'' ہر طرف تبصرے ہو رہے تھے۔

وہ نفرت، غصے اور توہین کے احساس میں بھڑ بھڑ جلتا آگ بگولا ہوتا دروازہ دھاڑ سے کھول کر اندر آیا تو کمرے میں نیلگوں روشنی بکھری تھی اور اس نے بازو آنکھوں پہ رکھا ہوا تھا۔

زعیم کا پہلے سے تپا، سلگا دماغ اور بھی ابلنے لگا۔ یعنی وہ اپنے ایک ایک عمل سے ثابت کر رہی تھی اس گھر کا کوئی بھی فرد اس کی نگاہ میں ذرا سی بھی اہمیت کا حامل نہیں تھا۔ زعیم بھی نہیں۔

اور اسے ابھی اپنے اس ''عمل'' کی انتہا اور ''نتائج'' کا اندازہ ہی نہیں تھا۔ تبھی وہ اتنی پرسکون اور مطمئن تھی۔

زعیم لب بھینچے اسے کچھ پل کے لیے دیکھتا رہا تھا۔ پھر اس نے آگے بڑھ کر انتہائی وحشیانہ انداز میں اس کا بازو دبوچ کر ایک جھٹکے کے ساتھ کھڑا کر دیا تھا۔ انزلہ اس حملے کے لیے تیار نہیں تھی۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی...... شاید وہ تھکن سے بے حال ہو کر سو چکی تھی۔

انزلہ کو پہلی مرتبہ احساس ہوا تھا۔ جو کچھ چند گھنٹے پہلے ہوا تھا۔ وہ کچھ اتنا اچھا نہیں ہوا تھا۔ اس نے کبھی کسی غصیلے مرد کو نہیں دیکھا تھا۔ انزلہ کے پاپا بڑے نرم خو تھے اور بھائی پاپا کا پورا پورا عکس۔ تایا اور شاہ ویز بھی نرم طبیعت تھے۔

زعیم کے بھڑکتے لہجے نے انزلہ کے اوسان خطا کر دیے تھے۔ زبان تالو سے چپک گئی تھی۔

''اچھا تو ہم جنگلی ہیں، وحشی، درندے، جاہل۔'' وہ اتنی شدت سے غرایا کہ انزلہ کو اپنے کان پھٹتے محسوس ہوئے تھے۔ اس نے بے ساختہ اپنے دونوں کانوں پہ ہاتھ رکھ لیے۔

''بدتہذیب ہیں، بدتمیز ہیں، اجڈ ہیں۔ تم نے ابھی وحشی دیکھے ہی نہیں، آج ارمان تمہارا پورا کر دوں گا۔ پھر تمہیں کوئی حسرت نہیں رہے گی۔ تو آج اس ''وحشی'' کا اچھی طرح نظارہ کر لو۔ اسی وحشی کے ساتھ زندگی گزارنی ہے جہاں سے ''رہائی'' ممکن نہیں ہو گی۔ ساری عمر تڑپتی رہو گی۔''

اس نے بالوں سے پکڑ کر انزلہ کو زوردار جھٹکا دیا تھا۔ وہ لہرا کر بیڈ سے نیچے جا گری تھی...... پھر اس کی جیسے چیخ نکل گئی۔

''اس ہاتھ سے تم نے میرے بھتیجے کو مارا...... میرے بچے پہ ہاتھ اٹھایا۔ بڑی اعلا تعلیم یافتہ اور تہذیب یافتہ ہو تم...... تمیز تو تمہیں چھو کر نہیں گزری۔ تمہیں ان کا مذاق برا لگ رہا تھا تو آپا سے کہتیں...... تم نے بچے پہ ہاتھ کیوں اٹھایا؟ اب اتنی ہی ذلت اٹھاؤ گی اور اتنے ہی تھپڑ کھاؤ گی۔'' زعیم کا ہاتھ اٹھا اور اس کے گلے پر جم گیا...... اس کی زبان چلی تو پھر تھمی نہیں...... وہ نہ بول بول کر تھک رہا تھا نہ اس کے گلے سے ہاتھ اٹھا رہا تھا۔

''چھوڑو مجھے، مار دو گے کیا ظالم درندے۔'' وہ چلا کر خود کو بچانے کی کوشش میں اور بھی اس کے غصے کو ہوا دے رہی تھی...... لیکن زعیم کا نہ غصہ تھم رہا تھا۔ نہ ہاتھ رک رہا تھا۔ آخر میں اس نے انزلہ کو پاؤں کی ٹھوکر ماری اور ہٹ گیا۔

باہر سے دروازہ پیٹا جا رہا تھا۔ شاید میثم کی آواز تھی ــ اور آپا کی بھی مگر زعیم نے دروازہ نہ کھولنا تھا نہ کھولا۔

انزلہ وہیں فرش پہ بیٹھ کر اپنی ''نادانی'' کے ہاتھوں پوری رات روتی رہی تھی۔ کوئی اس سا نادان اور بدقسمت بھی تھا۔ جس نے اپنی بے وقوفی، کم عقلی اور جذباتیت کی وجہ سے اپنی قسمت کا دروازہ خود اپنے ہی ہاتھوں سے ہمیشہ کے لیے بند کرلیا تھا۔

☆☆☆

دوسرے دن ولیمہ تھا اور جس حال میں ولیمہ ہوا یہ آپا اور صدف کا اللہ جانتا تھا۔ انزلہ نے وہ تماشا لگایا کہ رو رو کر پورا گھر سر پہ اٹھالیا۔ کچھ اس کی حالت بھی بڑی شکستہ تھی۔ اوپر سے غم و غصے اور ذلت کے احساس کی وجہ سے بخار چڑھ گیا تھا۔

صدف نے ہاتھ جوڑ کر اسے بمشکل تیار کروایا تھا اور صدف کی ہزار ناراضی کے باوجود اس نے ولیمہ میں دس منٹ سے زیادہ شرکت نہیں کی تھی۔ آپا اور صدف اسے بہانے سے اٹھالائی تھیں۔

ولیمہ جیسا تیسا نپٹ گیا۔ مہمان گئے تو اس کے سارے بھائی بھی لمبے عرصے کے لیے اسے اسی گھر میں ''الوداع'' کہہ گئے۔ بھائیوں نے بالا ہی بالا امی کا ویزا الگوالیا تھا اور امی کو اپنے ساتھ لے جانے کا پکا پروگرام بنالیا تھا۔

ولیمے کے چوتھے دن یہ سب لوگ اپنے اپنے ٹھکانوں پہ نکل گئے۔ امی کی اس بے وفائی نے انزلہ کو پورا ہفتہ ''شاک'' میں رکھا تھا۔ وہ جو ولیمے کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس گھر پہ لعنت بھیج کر امی کے گھر جانے کا منصوبہ بنا کر بیٹھی تھی۔ وہ لمحوں میں چکنا چور ہوگیا۔

اصل دکھ تو یہ تھا کہ امی نے اسے بتانا بھی گوارا نہیں کیا...... وہ اپنی بہوؤں اور بیٹیوں کے پاس جانے کے لیے اتنی خوش، اتنی پرجوش تھیں کہ انزلہ کے سارے شکوے دھرے کے دھرے رہ گئے تھے۔ وہ لوگ جاتے ہوئے اس سے ملنے کے لیے آئے تھے۔ صرف ایک گھنٹہ رکے اور چلے گئے۔

جاتے جاتے وقت امی نے اسے خوب سمجھایا تھا، نصیحتیں کی تھیں اور وہ ـــ خالی دماغ سے سب کچھ سنتی رہی۔

''جب تمہارا رشتہ طے ہوا تب ہی شہروز نے میرا ویزا الگوالیا تھا...... مرینہ تو دبئی میں سیٹ ہے۔ بھائی تمہارے باہر ہیں...... تمہاری شادی کے بعد میں یہاں اکیلی تھی۔ تمہارے بھائیوں کو گوارا نہیں تھا۔ تم بس یہاں خوش رہنا پھر فون پہ بات تو ہوتی رہے گی۔''

امی نے اس کی پیشانی چومی اور آباد رہنے کی ڈھیروں دعائیں دے کر چلی گئیں اور یوں انزلہ کے لیے ''واپسی'' کے بھی سارے دروازے بند ہوگئے۔

☆☆☆

شادی کے ساتویں دن صدف نے صبح ہی صبح اسے آڑے ہاتھوں لیا تھا۔

''مجھے بتاؤ تمہیں کس بات کا ''زعم'' ہے؟ ابھی تک تمہارا غصہ ختم نہیں ہوا۔ تمہاری اکڑ نہیں گئی۔ تم آخر چاہتی کیا ہو؟ جبکہ غلطی بھی تمہاری تھی۔ اور بجائے معافی مانگنے کے تم بلاوجہ اکڑ رہی ہو۔'' صدف کا مارے اشتعال کے برا حال تھا۔ انزلہ کو صدف کی طوطا چشمی پہ بڑا ہی غصہ آیا تھا۔

''تمہارے دیور نے مجھے روئی کی طرح دھنک کر رکھ دیا۔ میری اتنی انسلٹ کی اور تم کہہ رہی ہو میں بلاوجہ اکڑتی ہوں۔'' انزلہ بھی ابل پڑی۔

''شروعات آخر کس نے کی تھی؟ ابھی بھی سوچوں تو خود سے نگاہ نہیں ملا سکتی...... مجھے اتنی شرم آتی ہے کہ حد نہیں...... کیا تم میری کزن ہو؟ میرے ہی نام پہ دھبّہ؟ اور آفرین ہے میرے شوہر اور اس گھر کے اعلیٰ ظرف لوگوں پہ۔ جنہوں نے ایک مرتبہ بھی مجھے نہیں جتایا اور تم نے ایک مرتبہ بھی سوچنے کی زحمت نہیں کی ہوگی کہ ان لوگوں کی تمہاری اس گری ہوئی حرکت پہ کتنی سبکی ہوئی ہے۔ وہ کس قدر اپنے ہی خاندان والوں کے سامنے شرمسار ہیں اور میرا سر کس قدر جھک چکا ہے۔ یہ تو علیم کی وسیع القلبی ہے جس نے ایک دفعہ بھی مجھے موردِ الزام نہیں ٹھہرایا۔ ہر کوئی زعیم کو سمجھاتا پھر رہا ہے کہ وہی درگزر سے کام لے۔

اس بات کو ختم کرے حتیٰ کہ میثم بھی۔ آپا کی نیندیں اڑی ہوئی ہیں اماں بے چاری ہاتھ ملتی ہیں۔ تائیاں ٹھٹھے لگاتی ہیں۔ اور تمہیں ذرا بھی احساس نہیں۔''

صدف آج ساری کسر نکالنے کے ارادے سے آئی تھی۔ اسے بے بھاؤ کی سنا کر جب تھوڑا سا رکی تو انزلہ کو بھی بولنے کا موقع مل گیا تھا۔

''مجھے یوں لگا، جیسے مجھے کسی نے دھکا دیا ہے میرا تماشا لگانے کے لیے۔ تاکہ میں گروں اور یہ لوگ ہنس سکیں۔ گھونگھٹ میں مجھے پتا نہیں چلا۔ بس میرا ہاتھ اٹھ گیا۔ میں ابھی تک خود ''شاک'' میں ہوں۔ میں ایسا کرنا نہیں چاہتی تھی۔ مگر مجھ سے غیر دانستہ طور پر جو بھی ہوا۔ مجھے اس پہ شرمساری ہے۔'' بالآخر انزلہ نے تسلیم کر ہی لیا تھا۔

''تم نے عظیم سے معذرت کی، نہیں نا، کیا تمہارا فرض نہیں تھا کہ تم ان لوگوں سے معذرت کرتیں۔ اتنے لوگوں میں چھوٹے سے مذاق پہ تم نے تماشا بنا دیا۔'' صدف نے اسے بھگو بھگو کر ماریں تو اس کا سر جھک گیا تھا۔

''اور تمہارے دیور نے کیا بدلہ نہیں لیا تھا۔ جانوروں کی طرح مجھے پیٹا۔'' انزلہ کو نئے سرے سے اپنی ساری تکلیف یاد آگئی تھی۔ وہی ذلت، وہی مار، وہی بے عزتی۔

''جسے منہ پھاڑ پھاڑ کر جانور بول رہی تھیں۔ اس نے جانور بن کر تو دکھانا ہی تھا۔ مانا کہ اس نے ضرورت سے زیادہ کردیا مگر وہ غلط نہیں تھا۔'' صدف نے جتا کر کہا تو وہ اس پر چڑھ دوڑی۔

''تمہیں مجھ سے زیادہ ان لوگوں کی پرواہ ہے۔''

''ان کی پرواہ کیوں نہ کروں؟ یہ لوگ میرے محبوب شوہر کے پیارے ہیں۔ وہ اپنے گھر والوں سے محبت کرتا ہے اور میں اپنے شوہر سے۔'' صدف نے اب کے کچھ رسان سے اسے سمجھایا تھا۔ پھر اس نے غصہ ترک کردیا اور اس کو ـــ نرم انداز میں سمجھاتی رہی تھی۔

''دیکھو میری جان! جو ہوا اسے بھول جاؤ۔ مٹی ڈالو۔ یہ لوگ بھی درگزر کرچکے ہیں۔ زعیم کا غصہ بھی اتر جائے گا۔ تم خود میں تبدیلی لاؤ۔ سب میں گھلو ملو اور خاص طور پر زعیم پہ توجہ دو۔ تمہیں تو خبر ہی نہیں وہ تم سے کتنے فاصلے پہ چلا گیا ہے۔'' صدف اسے ایک ایک نزاکت سمجھا رہی تھی۔ اسے زعیم کے ساتھ ''نازک'' رشتے کا احساس دلا رہی تھی۔

''پہلے جیسے وہ میرے بڑا قریب تھا۔'' اس نے جل بھن کر کہا تھا۔

''قریب تھا نہیں...... مگر آ ضرور جاتا۔ تم نے اپنے ایک عمل سے اتنی بڑی خلیج حائل کردی ہے۔ اب اس خلیج کو تم ہی پاٹ سکتی ہو۔'' صدف نے ملائمت سے سمجھایا۔

''تم چاہتی ہو میں اس فرعون کے قدموں میں گروں۔ اس سے بھیک مانگوں، ہرگز نہیں۔'' انزلہ ایسے بدکی جیسے کسی بچھو نے ڈنک مارا ہو۔ اور صدف نے اپنا ماتھا پیٹ لیا تھا۔ آخر وہ اس کو کیسے سمجھاتی؟

☆☆☆

وہ تائی امی کے گھر جا کر شاہ ویز اور عائشہ کی خوشحال زندگی کو دیکھ کر مزید ڈسٹرب نہیں ہونا چاہتی تھی۔ اور دل یہاں بھی نہیں لگ رہا تھا۔

آج اتنے دن ہو چکے تھے، اس نے زعیم کو دوبارہ نہیں دیکھا تھا۔ لیکن اسے پتا تھا وہ گھر میں ہی ہے۔ کیونکہ جب وہ گھر میں ہوتا تھا تو اس کی آواز انزلہ کو کمرے میں سنائی دیتی تھی۔

دراصل وہ اس شادی کے سرے سے ہی خلاف تھی کیونکہ اسے اپنے موجودہ سسرالیوں کا معیار زندگی اپنے معیار کے بالکل مطابق نہیں لگتا تھا۔ وہ ان لوگوں سے ہی نہیں ان کے ماحول، ان کے رہن سہن، ہر چیز سے متنفر تھی۔

جبکہ اسے تو صدف کو دیکھ کر بڑی حیرانی ہوتی۔ کیسے وہ اپنا سابقہ انداز زندگی بھول کر ان لوگوں کے رنگ میں رنگ چکی تھی۔ کہاں وہ ناک پہ مکھی نہ بیٹھنے دیتی تھی۔ پورے شہر میں مرسیڈیز دوڑایا کرتی تھی اور کہاں ایک چھوٹے سے دیہات میں معمولی سے

گھر کی چاردیواری میں مقید تھی۔ جہاں پہ ایکٹویٹی کے نام پہ چغلیاں تھیں۔ گھریلو سیاست تھی، ایک دوسرے کی برائیاں کرنے کے لیے دلچسپ جملے بازی ہوا کرتی تھی یا پھر دوسروں کی ذاتیات پہ حملے کیے جاتے۔ اور ان دنوں تو انزلہ کی ذات موضوع گفتگو تھی۔ وہ سارا وقت کمرے میں بند رہتی۔

وہ ہونق پن سے صدف کی لمبی تقریر سن رہی تھی۔

"انزلہ! میں یہ نہیں کہوں گی۔ تمہاری اس شادی میں رضامندی شامل نہیں تھی تب ہی تم اتنی بیزار ہو، یہاں کے لوگوں سے کیونکہ اتنا تو میں جانتی ہوں۔ تمہاری مرضی کے بغیر کوئی بھی کچھ نہیں کر سکتا۔" صدف کی تمہید پہ اس نے گہرا سانس خارج کیا تھا۔

وہ صدف سے یہ نہیں کہہ سکی کہ۔ اس کے سامنے دوسرا کوئی انتخاب نہیں تھا۔ اس نے کبھی کسی کے بارے میں سوچا ہی نہیں تھا۔ شاہ ویز کا خیال ضرور آیا تھا مگر محبت یا پسندیدگی نہیں تھی۔ یونی ورسٹی میں بھی اس نے کبھی کسی کو منہ نہیں لگایا تھا۔ پھر بھلا وہ کیسے زعیم کے رشتے سے انکار کرتی۔

اور اس رشتے کے کچھ تقاضے بھی تھے۔ جن کا احساس دلانے صدف اس وقت انزلہ کے کمرے میں موجود تھی۔

"دیکھو انزلہ! انسان کو وقت اور حالات کے مطابق خود کو ڈھالنا پڑتا ہے۔ تبدیلی اور نرمی لانا پڑتی ہے۔ یہاں پر سب کچھ مختلف ہے۔ لیکن دیکھو جان! یہاں پہ کچھ نہیں بدلے گا۔ تم کو ہی بدلنا ہوگا۔ تمہیں تو پتا نہیں یہاں پہ سب پردیسی ہیں، ہر کوئی اپنے اپنے کام پہ نکل جائے گا۔ یہ لوگ ویک اینڈ پہ آتے ہیں۔ یا چھٹی پہ، ان کے آتے ہوئے اور جاتے ہوئے کتنا کام ہوتا ہے۔ یہ تمہیں آہستہ آہستہ اندازہ ہوگا۔ اس گھر کی دیکھ بھال اور چھوٹی موٹی ذمہ داریوں کو سمجھو جبکہ تم جانتی بھی ہو کہ یہ تمہارا آخری ٹھکانہ ہے۔

تمہارے بھائی اور بہن اپنی اپنی زندگیوں میں مگن ہیں۔ میں جا رہی ہوں۔ نازو بھابھی بھی نکلنے والی ہیں...... میثم آج چلا جائے گا۔ نعیم کل، وہ ہاسٹل میں رہتا ہے عظیم بھائی اور نازو بھابھی ساتھ والی تحصیل میں جاب کرتے ہیں، دونوں اسکول ٹیچر ہیں۔ ہم لوگ بھی دوپہر تک نکل جائیں گے۔ آپا کب تک ہمارے گھر کی ذمہ داری اٹھائیں گی۔ انہیں بھی جانا ہے۔"

صدف بہت نرمی اور ملائمت سے ایک کے بعد ایک بم اس کے سر پہ پھوڑ رہی تھی۔ اور انزلہ آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کے حواس جیسے گم ہو رہے تھے۔

"تم بھی چلی جاؤ گی؟ مم میں یہاں اکیلی۔"

انزلہ کا رنگ فق ہو گیا تھا۔ صدف اس کی پریشانی دیکھ کر چپ ہو گئی۔

"اکیلی کیوں؟ اباجی ہیں، اماں ہیں، فاریہ بھی ہے گو کہ وہ اسکول جاتی ہے۔ لیکن دوپہر تک گھر آ ہی جاتی ہے۔ پھر زعیم ہے نا...... وہ تو ہر ویک اینڈ پہ گھر آتا ہے۔ جب سے اس کی پوسٹنگ، کھاریاں ہوئی ہے، وہ ہر ویک اینڈ پہ آ جاتا ہے۔ پہلے کشمور میں تھا تو وہاں سے جلدی چھٹی نہیں ملتی تھی۔ اور کھاریاں تین چار گھنٹے کی ڈرائیو پہ تو ہے پھر تم پریشان مت ہونا۔ بس زعیم کے ساتھ تعلقات اچھے کرلو۔ وہ تمہیں ساتھ لے جائے گا۔ لیکن جب تک میثم کی شادی نہیں ہو جاتی تمہیں بھی یہیں رہنا ہوگا۔

زعیم سے اپنا رویہ اچھا کرو۔ ہنسا بولا کرو۔ اس کے کام کرو۔ عورتوں کو تو سو طریقے آتے ہیں۔ ایک تم ہو جسے پرواہ نہیں، اپنا شوہر شتر بے مہار چھوڑ رکھا ہے۔" صدف اسے اس کی ذمہ داریوں کا احساس دلانا چاہتی تھی۔

★ ★ ★

اماں تخت پہ لیٹی تھیں۔ اپنی بھیگی آنکھیں پونچھتی اباجی سے مخاطب ہوئیں۔

"میں تو ان سب کے جانے آنے کی عادی ہو چلی ہوں۔ میرے بچوں کے کندھوں پہ "سفر" سوار

رہتا ہے۔ اللہ کی امان میں رہیں۔ جہاں بھی رہیں پر چوہدری جی! دل بڑا اداس ہوتا ہے۔ ابھی کل کی تو بات ہے...... نازو بیاہ کر لائے تھے، ہر طرف رونقیں، ہلا گلا پھر وقت گزارا تو دونوں کی ٹرانسفر ہو گئی۔ دونوں تلاش زرق میں پردیسی ہوئے۔ پھر اللہ سلامت رکھے میرے علیم کو۔ اس کی دلہن میں بڑے ارمانوں سے لائی تھی بڑے شہر اور بڑے گھر کی لڑکی، اللہ اسے سدا سہاگن رکھے۔ جتنے بڑے شہر کی تھی۔ جتنے بڑے گھر کی تھی، اتنا بڑا دل بھی پایا۔ ایسے گھل ملی۔ کہ اجنبیت کا احساس تک نہ ہوا۔ اب زعیم کی دلہن آئی ہے۔ یوں لگتا ہے گھر میں کسی نئے فرد کا اضافہ نہیں ہوا۔ اتنی چپ، اتنی گم صم، اتنی خاموش میرا تو دل ہولتا ہے چوہدری جی! بچی اتنا چپ کیوں رہتی ہے۔ زعیم بھی اکھڑا اکھڑا بدمزاج، نہ ڈھنگ کی بات کرتا ہے۔ نہ بولتا ہے۔"

اماں آج سارے بچوں کو بھیج کر بڑی فرصت کے ساتھ زعیم اور انزلہ کا تجزیہ کر رہی تھیں۔ اور ان کی آواز اس سناٹے میں اندر تک صاف سنائی دے رہی تھی۔ خود کو موضوع گفتگو بنا سن کر انزلہ پوری جان سے ٹھٹک گئی تھی۔

"میری بات سنو جی...... یوں ہی دل نہیں ہولتا میرا۔ یہ اس رات جو بچوں نے شغل شغل میں "رولا" ڈالا تھا اس کی وجہ سے تو نہیں؟ میں نے اڑتی اڑتی سنی تو تھی۔ زعیم نے دلہن کے ساتھ خاصا فساد مچایا تھا۔ آپ زعیم کے کان کیوں نہیں کھینچتے؟ ہم عزت دار لوگ ہیں، ایسے تماشے لگاتے اچھے لگتے ہیں اور یہ کس خوشی میں بیٹھک کے حجرے میں ڈیرہ لگائے سوتا ہے؟ بہو اکیلی یہاں اور وہ نواب زادہ وہاں۔"

اباجی گہری سوچ میں گم حقہ گڑگڑاتے رہے۔ ان کے چہرے پہ گہرا تفکر تھا۔

"انزہ پتر، واقعی کمرے سے باہر نہیں آتی؟ اور یہ سدا کا الٹی کھوپڑی والا...... اس کو میں ایسی مار دیتا ہوں۔ آئندہ توبہ کرے گا۔" اباجی نے کچھ دیر بعد اماں کو جیسے تسلی دی تھی۔ وہ حقہ گڑگڑانے کا شغل ترک کر کے گلا کھنکھارتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ سر پہ رکھی پگڑی کو سیدھا کرتے ان کے قدموں کا رخ اس طرف تھا۔ جس طرف آج کل زعیم کا عارضی قیام تھا۔

☆☆☆

انزلہ کے لیے دوسرا جھٹکا کچھ اس طرح سے تھا۔ جب اس نے اپنے سسر کو دوسری مرتبہ دیکھا۔

وہ سفید براق کرتے، تہبند میں ملبوس تھے۔ لمبے سے، سفید پگڑی باندھے۔ نورانی چہرہ...... پھر وہ اکیلے نہیں آئے تھے ان کے ساتھ زعیم بھی تھا۔ خاصا مودب نظر آتا ہوا۔

اور زعیم کو شرافت کے لبادے میں دیکھ کر انزلہ کو اندازہ ہو رہا تھا اباجی کا اپنے بچوں پہ کتنا "رعب" ہے۔ مجال تھی جو زعیم نے اباجی کے سامنے "چوں" بھی کی ہو تو۔

وہ انزلہ کے سامنے زعیم کو گھر کتے رہے تھے۔ اور زعیم نے نہ بحث کی، نہ دلیل دی نہ وضاحت کی۔ بلکہ ہر بات چپ چاپ تسلیم کرتا رہا۔

انہوں نے ان دونوں کی "ان بن" یا جھگڑے کی وجہ ہرگز نہیں پوچھی تھی۔ انہوں نے بس اس ان دیکھی دیوار کو ایک ضرب کے ساتھ گرایا تھا جو ان دونوں کے درمیان نادانستگی میں آ کھڑی ہوئی تھی۔

اباجی نے جاتے سمے بڑی حلیمی سے کہا بھی تو بس اتنا۔

"شادی دو انسانوں کا بندھن نہیں۔ دو خاندانوں کا ملاپ ہوتی ہے۔ شادی کی ذمہ داریاں بس نکاح تک محدود نہیں ہوتیں۔ کیا تمہیں اپنے اللہ کے سامنے حاضر نہیں ہونا؟ جس اللہ اور رسول کو گواہ بنا کر اس بچی کو اپنے ساتھ گھر لائے ہو۔ اس کے حقوق کا تمہیں کوئی احساس نہیں۔ میاں بیوی ایک دوسرے کا لباس ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کی کمزوریوں اور عیبوں کو ڈھکتے ہیں نہ کہ تشہیر کریں۔ اگر تمہاری بیوی غلطی پہ ہے تو اسے غلطی کا احساس دلانے کا یہ طریقہ کہاں سے سیکھا۔ اگر اپنی بہن کی

خوشی اور چاہ پہ سر جھکایا تھا تو دل بھی جھکا لیتے۔"

ابا جی ایسا ہی فصیح لیکچر انزلہ کو بھی دے رہے تھے جس میں انہوں نے اس کی ساری غلطیوں کی نشان دہی کی تھی۔ اور انزلہ ابا جی کو دیکھ کر ایسا محسوس کر رہی تھی جیسے اس کے پاپا کا کوئی دوسرا عکس ہو۔ اتنے ہی حلیم اور پیار کرنے والے۔ اتنے ہی میٹھے انداز میں سمجھانے والے۔

ابا جی جب تک بیٹھے رہے، زعیم چپ رہا۔ ابا جی کے اٹھ کر چلے جانے کے بعد بھی چپ رہا تھا۔ پھر آرام سے بیڈ پہ لیٹ کر سو گیا۔ انزلہ ہکا بکا رہ گئی۔ یہ کوئی سونے کا ٹائم تھا؟

انزلہ کو بادل نخواستہ اٹھ کر صوفے پہ آنا پڑا۔ زعیم کے برابر لیٹنا مناسب نہیں لگا۔ وہ نجانے کیا سوچتا؟

جانے وہ کتنی دیر تک سوتی رہی۔ جاگی تو تب جب اسے کسی نے جھنجھوڑ کر اٹھایا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھی۔

انزلہ کو غصہ تو بلا کا آیا تھا۔ مگر پھر برداشت کر گئی تھی۔ کیونکہ ابا جی کی تازہ تازہ نصیحتوں کا اثر ابھی باقی تھا۔

"یہ جگانے کا کون سا طریقہ ہے؟" وہ نہ چاہتے ہوئے بھی "جتانے" سے باز نہیں آئی تھی۔

"تم سے کس نے کہا کہ میں اتنا سولائزڈ ہوں؟" اس نے الٹا سوال کر دیا تھا۔ طنز میں ڈوبا ہوا لہجہ......انزلہ کو بمشکل ہی "پینا" پڑا۔

"میرا اندازہ ہی تھا۔" انزلہ جز بز ہو کر بولی تھی۔ یہ اس رات کے بعد ان کی پہلی باضابطہ گفتگو تھی۔ جو ہرگز بھی خوشگوار نہیں تھی۔

"اچھا؟" اس کا "اچھا" مذاق اڑانے والا تھا۔ اس "ٹریلر" کو دیکھ لینے کے بعد بھی تم نے ایسا اندازہ قائم کیا؟ پھر تو بڑی عقل مند ہو۔"

اس نے صاف صاف بات اڑائی تھی۔ انزلہ کا دل چاہا۔ وہ کوئی منہ توڑ جواب دے کر اسے ٹھنڈا کر دے۔ کیونکہ وہ "ٹریلر" سے مراد شادی والی رات کی ساری سچویشن کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ انزلہ کا مارے توہین اور غصّے کے بُرا حال ہو گیا۔

"مجھے تمہاری شاہانہ نیند کو ڈسٹرب کرنے کا شوق نہیں تھا۔ لیکن تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے۔ تمہارے سارے "شاہی ملازم" جا چکے ہیں جن میں سرفہرست نازو بھابھی، صدف بھابھی اور آپا تھیں۔ جنہوں نے تمہیں دس دن تخت پہ بٹھا کر عیش کرائے۔ شاہی کنیزوں کے چلے جانے کے بعد تمہیں خود بخود اپنی ذمہ داریوں کا خیال کرنا چاہیے تھا۔ آپا کا بنایا ہوا سالن دوپہر میں ختم ہو گیا تھا۔ ابا جی اور اماں سرِشام کھانا کھا لیتے ہیں۔ وہ ابھی تک بھوکے بیٹھے تھے۔ ابا جی کو نماز پڑھنے جانا تھا۔ مجبوراً اماں کو کچن میں جانا پڑا اور انہیں گھٹنوں کی شدید تکلیف ہے۔ سردی میں یہ درد ان کی برداشت سے باہر ہو جاتا ہے۔" اس نے گہرے طنزیہ کاٹ دار انداز میں جتلایا تو وہ لمحہ بھر کے لیے ہونق ہو گئی تھی۔

"تو پھر؟"

وہ اس کے "تو پھر" پر جیسے بدک گیا تھا۔ یعنی اس کی اتنی لمبی تقریر کے بعد بھی اس کا یہ سوال بنتا تھا؟

"تو پھر یہ کہ آپ اپنی شاہی سواری کو باورچی خانے تک لے جائیں۔ اماں کو عرصہ ہوا۔ وہ ان کاموں سے ریٹائر ہو چکی ہیں۔ وہ تو پیاز کاٹنا بھی بھول چکی ہیں اب شاباش، ہری اپ، اٹھو۔" کافی طنزیہ انداز میں بولتے ہوئے اس کا لہجہ آخر میں نہ صرف ملائم ہو گیا تھا بلکہ اس کا انداز بھی بدل گیا تھا۔ شاید ابا جی کی نصیحتوں کا اثر تھا۔

انزلہ نے بغیر بحث کیے پیروں میں چپّل پھنسالی تھی۔ پھر وہ کھلے بال دائیں کندھے پہ ڈال کر خاموشی سے باہر نکلنے لگی تھی جب زعیم نے اسے بے ساختہ ٹوک دیا۔

"انزلہ! بال سمیٹ لو۔" اس کے لہجے میں واضح تنبیہہ تھی۔ انزلہ سمجھ میں نہ آنے والے انداز میں اسے دیکھنے لگی۔

"باہر اور لوگ بھی ہیں۔" زعیم کہتے ہوئے باہر نکل گیا۔ انزلہ حیرت سے اسے جاتا دیکھتی رہی۔

باہر بھلا کون لوگ تھے؟ سب لوگ تو جا چکے

تھے؟ وہ تجسس کو لیے جب باہر آئی تو غیر ارادی طور پر برابر والے گھر پہ نگاہ ڈالی۔

چھوٹے سے صحن میں چھوٹی سی برائے نام باڑ جتنی دیوار کے پار بھی ایک گھر آباد تھا۔ عالیشان سا، چونکاتا ہوا۔ زعیم کی نک چڑھی تائی کا گھر۔

اس نے بے ارادہ ہی ان کے صحن میں جھانکا۔ وہاں پہ ایک مونچھوں کو تاؤ دیتا "جٹ" دکھائی دیا۔ جو اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر جانے کیوں مسکرایا تھا۔ انزلہ کو اس کی مسکراہٹ بہت بری لگی تھی۔ اسی لیے وہ جھپاک سے باورچی خانے میں گھس گئی۔

اماں انزلہ پہ نگاہ پڑی تو حیران رہ گئیں۔ وہ بھی تھوڑا کنفیوز سی اردگرد پہ نگاہ ڈالتی رہ گئی۔ صاف ستھرا باورچی خانہ تھا۔ شیلف پہ برتن سجے تھے۔ ایک کونے میں گیس کا سلنڈر اور چولہا تھا۔ جس میں آگ جل رہی تھی۔ اماں کو شاید اسی پہ ہانڈی چڑھانی تھی۔ قریب ہی دیگچی میں گھی ڈال کر کٹی ہوئی پیاز رکھی تھی۔

انزلہ کو ہول اٹھے تو کیا وہ لکڑیاں جلائے گی؟ اسے رہ رہ کر رادیبہ کا خیال آ رہا تھا۔ کیا ٹھاٹ تھے اس کے۔ کہاں وہ چھوٹے سے دیہات سے اٹھ کر ہاسٹلوں میں رہی۔ ماسٹرز کیا اور پھر ایک بڑے شہر میں بیاہ کر چلی گئی۔ اپنی اپنی قسمت کی بات ہوتی ہے۔ کہاں انزلہ محلوں سے اٹھ کر جھونپڑی میں آ پڑی تھی۔

اسے اپنی قسمت کے خراب ہونے پہ پھر سے رونا آ گیا تھا۔

کہاں اس کا بزنس مین شوہر اور کہاں یہ پاک فوج کا جوان۔ ماہوار تنخواہ لینے والا، جس کی ناک پہ غصہ ہمہ وقت دھرا رہتا تھا۔ اور ہتھ چھٹ اتنا کہ بات بعد میں کرتا، گھونسا پہلے دے مارتا۔ اس کے بھائی سب اس کے "رعب" میں تھے۔ آخر اسم بامسمّیٰ تھا۔ جانے زعیم صاحب کس بات کے "زعم" میں مبتلا تھے۔

اس نے کچھ الجھ ہو کر دوبارہ سے صحن میں پھیلی شام کو دیکھا تھا۔ چھوٹی دیوار کے پار عالیشان خوب صورت بنگلہ تھا۔ جدید طرز پہ بنا ہوا۔ آخر اس نے پہلے کیوں نہیں دیکھا تھا؟ شاید وہ خود میں ہی اتنی مگن تھی کہ کھلی کھڑکی سے اب منظر واضح نظر آ رہا تھا۔ چھوٹی دیوار کے پار اب مونچھوں والا کوئی آدمی نہیں کھڑا تھا اس لیے وہ خاصی فرصت سے بنگلے کو دیکھ سکتی تھی۔ ایک چھوٹے سے دیہات میں اتنی خوب صورت رہائشی عمارت؟ وہ خاصی متاثر ہو گئی تھی۔

اماں نے اس کی نظروں کا تعاقب کیا اور گہرا سانس بھر کے رہ گئیں۔

"زعیم کی تائی کا گھر ہے۔ اس کے تایا نے کویت میں بڑا پیسہ کمایا۔ ہمارے سارے خاندان میں سب سے آگے بھائی جی نکل گئے۔ بیٹے بھی دو جمع چار کرنے والے تھے۔ دونوں نے باوا کے کمائے پیسے سے کاروبار چلائے۔ ڈیری فارم، چکن شیڈ، مین بازار میں بڑا سا پلازہ کھڑا کر لیا۔ ادھر گھر بنایا۔ پڑھائی میں دماغ نہیں چل سکا مگر کاروبار بڑا چمکایا۔ تمہارے ابا جی (مراد زعیم کے والد تھے) سادہ لوح انسان تھے۔ بھائی جی والی تیزی طراری نہیں تھی۔ حساب کا کمایا، کھیتی باڑی کی۔ آمدن سے بچے پڑھائے لکھائے۔ آج اپنے باپ کا نام روشن کر رہے ہیں ماشاءاللہ۔

بھابھی جی کا مزاج بڑا تیز ہے۔ کافی عرصے سے ناراضی چل رہی تھی۔ رشتوں پہ جھگڑا تھا۔ بس ہم لوگ سمجھتے نہیں، رشتے ناتے آسمانوں پہ لکھے ہیں زمین پہ جھگڑے بنا بیٹھتے ہیں۔

تمہاری شادی پہ کوئی بھی نہیں آیا۔ سوائے بھابھی جی کے اور وہ بھی بس گھڑی دو گھڑی کے لیے۔ بہوؤں کو بھی نہیں لائیں۔ چلو خیر ہے۔ وقت گزر گیا۔" ان کی تقریر کو انزلہ نے خاصی بے دھیانی سے سنا تھا۔ اس نے برابر والے بنگلے سے نگاہ ہٹالی تھی۔

"رومانہ کی نند، بھابھی جی کی بہو ہے۔ رومانہ اپنی پھپھی کے گھر بیاہی تھی۔ بڑی تنگی تھی وہاں۔ میری بیٹی نے بڑا مشکل وقت دیکھا...... بڑا مشکل گزارا کیا۔ پھر رضیہ نے ضد لگا لی۔ ہم ادلی کا رشتہ لیں۔ بس تمہارے ابا جی نہیں مانے۔ بچے بھی نہیں مان

رہے تھے۔ رومانہ پہ رضیہ نے زندگی تنگ کردی۔ ہر لحاظ سے ستایا ہر حربہ آزمایا۔ پر تمہارے ابا جی اور رومانہ ڈٹ گئے۔ نہ علیم کے لیے رشتہ لیا نہ زعیم کے لیے...... علیم کی صدف سے کردی اور زعیم کے لیے تمہیں لے آئے۔ تب سے لے کر اب تک رضیہ نے ہم سے سارے تعلقات ختم کرلیے ہیں۔ ادی کی شادی اشفاق سے کردی۔ اشفاق، بھائی جی کا بیٹا ہے۔" انہوں نے برابر گھر کی طرف اشارہ کیا تھا۔

رومانہ کی نند اب تایا جی کی بہو تھی۔ اس کی چھوٹے ماموں کے گھر نہیں بلکہ بڑے ماموں کے گھر شادی ہوگئی تھی۔

"ہاں، تو اچھی جگہ ہوگئی نا ...... یہاں آ کر آگ ہی جھونکنی تھی۔ نوکروں کی طرح کام ہی کرنے تھے۔" انزلہ نے کلس کر سوچا۔ نگاہ بے ارادہ ہی برابر کے گھر کی طرف اٹھ گئی تھی۔ کیا ٹھاٹ تھے وہاں کے۔ اس عالیشان گھر کے سامنے تو یہ گھر سرونٹ کواٹر لگ رہا تھا۔

تب ہی اذان ہوگئی ......اور اماں ساری باتوں، کام اور ہانڈی کو چھوڑ کر نماز کے لیے اٹھ گئیں۔

"میں نماز ادا کر کے آتی ہوں پتر !"

انہوں نے گھٹنوں پہ بمشکل ہاتھ رکھے اور کراہتی ہوئی اٹھ گئیں۔ انہیں واقعی گھٹنوں کی شدید تکلیف تھی۔ ان کی آہ و بکا پہ انزلہ نے کان نہیں دھرے تھے۔ بلکہ اسے سبزی کی ٹوکری پہ غصہ آ رہا تھا۔

"کیسے بہانے سے اٹھ گئی ہیں۔ اب میں کیا کروں؟ اوف ان لکڑیوں پہ آگ جلاؤں کیا؟"

"یہ تھی میری قسمت ؟" وہ سسک اٹھی تھی۔

"آہ ادیبہ! تم نے مجھے کتنا بغاوت پہ اکسایا تھا مگر میں بھی کیسی احمق نکلی ......امی اور آپی کی جذباتی بلیک میلنگ کا شکار ہوگئی ......اور آج اپنے نصیبوں کو رو رہی ہوں۔ آج کردوں گی تم سے بات کتنے دنوں سے تم نے بھی کال نہیں کی۔" وہ ادیبہ سے تصور میں مخاطب تھی۔

وہ سبزی کی ٹوکری کو اٹھا کر مٹر چھیلتی سوچوں میں گم تھی جب کوئی اچانک اندر داخل ہوا تھا۔ انزلہ نے بے ارادہ ہی دیکھا اور چونک گئی۔ آنے والا زعیم تھا۔ اس نے ایک ڈرم اٹھا رکھا تھا۔ شاید وہ ڈیرے سے آیا تھا۔

زعیم نے شیلف سے ایک بڑا پتیلا اتار کر ڈرم کھولا، اس سے دودھ الٹ کر پتیلے میں ڈالا اور کسی ماہر خاتون خانہ کی طرح پتیلا آگ پہ چڑھا دیا...... پھر اس نے چولہے میں لکڑیاں سیٹ کر کے آگ بھی جلا دی تھی۔ وہ یہ کام بڑی مہارت کے ساتھ کر رہا تھا۔ جب وہ فارغ ہوا تو ہونق بنی انزلہ پہ نظر پڑی تھی۔ وہ آنکھیں پھاڑے زعیم کو دیکھ رہی تھی۔ وہ اس کی حیران آنکھوں میں جھانک کر سنجیدگی سے بولا۔

"کیا دیکھ رہی ہو؟"

"یہ سب؟" اس کا اشارہ آگ اور دودھ سے بھرے پتیلے کی طرف تھا۔

"یہ تو کچھ بھی نہیں۔" زعیم نے کندھے اچکائے۔ "ابھی تم اور دیکھو" اس نے سبزی کی ٹوکری گھسیٹ لی تھی۔

"ہماری آپا ہمارے بچپن میں بیاہی جا چکی تھیں۔ ہم چھوٹے تھے اور اماں بیمار رہتی تھیں۔ آہستہ آہستہ ہم لوگوں نے سب کچھ سیکھ لیا جو رہ گیا تھا۔ وہ فوج نے سکھا دیا۔" وہ اتنے نارمل انداز میں بول رہا تھا کہ انزلہ کو غش آنے لگے۔ کیا یہ وہی زعیم تھا؟ اسے شادی کی رات یاد آئی تھی۔ بلاشبہ وہ اس کی زندگی کی خوفناک رات تھی۔

انزلہ نے بے ساختہ جھرجھری لی۔ وہ جو بغور اس کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔ لمحہ بھر کے لیے چونک گیا۔ اس کے ہونٹوں پہ خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ جیسے وہ اس کی سوچوں میں گھس گیا تھا۔ انزلہ کو خود پہ بھی غصہ آ گیا۔ پھر وہ سبزی کی طرف متوجہ ہوگئی۔ وہ مٹر چھیل رہا تھا۔ انزلہ نے گاجریں کاٹنی شروع کیں۔

"تمہیں کھانا بنانا نہیں آتا؟" کچھ دیر بعد زعیم نے پوچھا۔ اس کا انداز طنزیہ نہیں تھا۔ انزلہ کو اس کے سادہ انداز پہ حیرت ہوئی تھی۔

"آتا ہے۔" انزلہ کو مرے مرے انداز میں بتانا پڑا۔ سوچا تھا، جھوٹ بول دے۔ لیکن پھر منہ سے "سچ" ہی نکل سکا۔

"ویٹس ویری گڈ۔" وہ بے ساختہ خوش ہوگیا تھا۔

"لیکن میں یہ سب نہیں بنا سکتی۔" انزلہ نے اسے زیادہ خوش ہونے کا موقع نہیں دیا تھا۔ زعیم کچھ چونکا۔ پھر اس کا چہرہ دیکھنے لگا تھا۔ جیسے بات سمجھنا چاہتا ہو۔ پھر اس نے بات سمجھ بھی لی تھی۔

"او...... سنیے محترمہ! ہم اٹالین، چائنیز، انگلش کھانے نہیں کھاتے ......سادہ خوراک ہے ہماری، روٹی سالن، کبھی چاول، تو کبھی حلوہ وغیرہ...... یہ ا: ؎ کوکنگ یہاں مت آزمانا۔" اس نے خاص طور پہ تنبیہ کی تھی۔

"مگر یہ سادہ کوکنگ مجھے نہیں آتی۔" اس نے بے رخی سے کہا تھا۔

اتنی جلدی وہ کچھ بھی بھلانے والی نہیں تھی۔ خاصی کینہ پرور اور منتقم مزاج واقع ہوئی تھی۔ زعیم کو اتنی آسانی سے معاف نہیں کرسکتی تھی۔ ابھی تک گلے پہ اس کے ہاتھوں کا دباؤ پڑتا محسوس ہوتا تھا۔ یوں لگتا تھا۔ اب دم گھٹا کہ گھٹا۔

"کچھ مشکل نہیں، سیکھ جاؤ گی۔" زعیم کا انداز لاپرواقسم کا تھا۔

"ہونہہ، سیکھ جاؤ گی۔" اس نے دانت کچکچائے تھے۔

"ویسے تم شہری "ریڈی میڈ" لوگ فاسٹ فوڈ کو بڑی خوراک سمجھتے ہو۔ تب ہی یہ بلڈ پریشر اور کولیسٹرول ہائی کی بیماریاں بڑھتی جا رہی ہیں۔ اصل طاقت تو روٹی میں ہے بندہ جتنا مرضی میکرونی، پاستا یا چائنیز فوڈ کھالے۔ بھوک تو روٹی سے مٹتی ہے۔"

"کبھی چائنیز کھایا جو نہیں تمہیں کیا پتا چائنیز فوڈ کیا بلا ہوتی ہے۔" اس نے حسب معمول دل ہی دل میں کلس کر کہا تھا۔

"میں جب کلر کہار کیڈٹ کالج میں تھا۔ تب ہمارا جس دن "چائنیز" میس ہوتا تھا۔ اس رات ایک بجے ہی پیٹ میں چوہے کودنے لگ جاتے تھے۔ صبح تک آنتیں باہر نکل آتیں۔ اللہ اللہ کر کے صبح ناشتہ ملتا تھا۔ ہم دیسی پراٹھے کھانے والے کہاں چائنیز پہ اکتفا کرسکتے تھے۔ چائنیز تو یوں معدے میں اترا یوں ہضم ہوا۔"

زعیم نے چٹکی بجائی اور چھلکوں کا ڈھیر کوڑے میں الٹ آیا۔ وہ بڑے سلیقے سے کام کر رہا تھا۔ جو پلیٹ گندی کرتا، فوراً دھوتا۔ جو ٹوکری گندی ہوتی فوراً صاف کرتا۔ یوں کچن میں کوئی بھی پھیلاوا نہیں تھا۔ وہ بڑے اچھے سے کوکنگ کر رہا تھا۔ انزلہ دل ہی دل میں بہت متاثر ہوئی تھی۔

اور ایک وہ خود تھی۔ چائے بنانے بھی کچن میں جاتی تو سو برتن گندے کر آتی۔ چائے چولہے پہ بھی گرتی، فرش پہ بھی ......اور اس نے کپڑا مار کر صاف کرنے کا کبھی تردد نہیں کیا تھا۔ چاہے امی پیچھے سے کتنی ہی جھڑکیاں دیتی تھیں۔ اس نے کبھی امی کی جھاڑ پہ کان نہیں دھرے تھے۔

"ہماری اماں اور آپا غضب کی صفائی پسند ہیں۔ اماں سے اب کام نہیں ہوتا۔ ہمارا گھر شیشے کی طرح چمکتا تھا۔ جبکہ ہماری تائی اور اکلوتی پھوپھی بہت پھوہڑ خواتین تھیں۔ بالکل تمہاری طرح کی۔" زعیم نے بولتے بولتے انزلہ کی طرف رخ کیا تو وہ گڑبڑا گئی تھی۔

"اب میں نے کیا کردیا۔" وہ تڑخ کر بولی۔

"جو کیا ......وہ تمہارے سامنے پڑا ہے۔" زعیم نے آلوؤں اور گاجروں کے چھلکوں کی طرف اشارہ کیا تھا۔ انزلہ کے قدموں میں چھلکوں کی ایک پہاڑی کھڑی تھی۔ وہ خواہ مخواہ شرمندہ ہوگئی۔ چھلکے اٹھانا بہت محال لگ رہا تھا۔ اس کا تذبذب محسوس کر کے زعیم نے خود ہی چھلکے اٹھالیے۔

اب وہ سلنڈر آن کر کے گیس کے اسٹوپہ ہانڈی رکھ رہا تھا۔

"آگ دودھ کے لیے جلائی جاتی ہے۔ اگر دودھ اس چولہے پہ "کاڑھا" جائے تو سلنڈر ایک

ہفتہ بھی نہ نکالے۔ ارجنٹ چائے بنانی ہو یا تھوڑا سا کھانا پکانا ہو، تب اس چولہے کا استعمال کیا کرو۔" وہ ساتھ ساتھ ہدایات بھی جاری کر رہا تھا کہ بلا ضرورت وہ "فضول خرچی" سے بھی پرہیز کرے۔ یعنی آگ جلانے کی بھی ٹریننگ حاصل کرے۔ انزلہ نے تو یہی اس کی بات سے مفہوم اخذ کیا تھا۔

"اب یہاں آجاؤ تم، مسالا تیاری کے قریب ہے۔ اس میں کٹی ہوئی سبزیاں ڈال کر بھون لو۔ پھر سالن کو دم پہ رکھنا۔ بعد میں ہری مرچیں اور دھنیا ڈالنا۔ تھوڑا سا گرم مسالا پاؤڈر بھی ڈالنا۔ پھر چولہا دھیان سے بند کر کے ہانڈی اتار لینا...... روٹی آپا بھجوا دیں گی۔ لیکن کل سے تم خود ناشتہ بناؤ گی۔ مجھے آپا کو تکلیف دینا اچھا نہیں لگتا...... اور ہاں، صبح جلدی اٹھنے کی عادت ڈالو۔ ہم سب صبح خیز ہیں۔

ابا جی کو نہار منہ چائے کی طلب ستاتی ہے۔ اماں سے اتنی سویرے کچن کا کام نہیں ہوتا۔ میں بھی صبح تک نکل جاؤں گا۔ چھٹی ختم ہے اس ویک اینڈ پہ کوئی بھی گھر نہیں آئے گا۔ نہ میثم نہ نعثم ...... نہ علیم۔

اگلے ویک اینڈ پہ سب اکٹھے ہوں گے تو کام کا بوجھ بھی ہوگا۔ علیم تو دو تین ماہ بعد چکر لگاتا ہے۔ عظیم بھائی بھی جلدی نہیں آسکتے۔ البتہ میثم اور نعثم پندرہ دن بعد گھر آتے ہیں۔

ان کے آنے اور جانے کی تیاری تمہارے ذمے ہے...... یاد رہے یہ ذمہ داری نازو بھابھی اور صدف نے اپنے اپنے "ٹائم پریڈ" میں پوری ذمہ داری سے نبھائی ہے۔ جب تمہارا ٹائم پریڈ ختم ہوگا۔ تم بھی آزاد ہو جاؤ گی۔ لیکن ابھی تمہیں اس گھر کی بہو ہونے کا فرض اور حق ادا کرنا ہے۔"

زعیم نے اتنے سلیقے سے بات مکمل کی کہ انزلہ نہ چاہتے ہوئے بھی سننے پہ مجبور ہو گئی تھی۔ وہ پہلے سا اجڈ زعیم کا سایہ بھی نہیں لگ رہا تھا۔ بڑے تحمل اور طریقے سے بات کر رہا تھا۔ شاید ابا جی، آپا اور اماں کی نصیحتوں کا اثر تھا۔

اسے اپنی طرف ہونقوں کی طرح دیکھتا پا کر آخر میں وہ مسکرا دیا۔

"میں اتنا برا نہیں ہوں۔ جتنا تم نے سمجھ لیا ہے۔"

انزلہ جز بز سی ہو گئی۔

"اور تم بھی ویسی نہیں...... جس طرح میں نے سوچ رکھا تھا۔ بس ہماری "سمجھ" کا کچھ قصور تھا۔ جو مس انڈرسٹینڈنگ رہی۔ امید ہے ہم ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں گے۔" اب وہ اپنی روشن آنکھوں میں امید لیے اسے دیکھ رہا تھا۔

تو گویا کپتان صاحب "صلح" کے موڈ میں تھے۔ انزلہ نئے سرے سے سلگ اٹھی تھی۔ دل چاہ رہا تھا۔ مکس سبزی سے بھری ہانڈی اس پہ الٹ دے یعنی انزلہ کی اتنی انسلٹ کے بعد ایک حرف معذرت بھی نہیں۔ اس کی اتنی ہی اوقات تھی۔ وہ مارے غصے اور اہانت کے بھڑ بھڑ جلنے لگی تھی۔

اس کی "اعلیٰ ظرفی" کو نظر انداز کرتی ہوئی وہ ایک مرتبہ پھر اپنی "اکڑ" میں آ گئی تھی۔ اسے اپنی زیادتی بھول چکی تھی۔ زعیم کا "ردعمل" ابھی تک یاد تھا۔

☆☆☆

سرما کے دن تھے۔ لوگ رات کا کھانا کھا کر مغرب کے بعد ہی لحافوں میں گھس جاتے تھے۔ اس چھوٹے سے دیہات میں دو ہی "قابل توجہ" چیزیں تھیں۔

ایک اس کے سسر چوہدری نذر عباس کے پانچ عدد سپوت اور دوسرا سسر صاحب کے بڑے بھائی کا عالیشان بنگلہ...... باقی سب تو فضول ہی تھا۔

یہ اس کی پہلی سوچ تھی، باورچی خانے کی کنڈی چڑھانے کے بعد، باورچی خانہ صحن میں تھا۔ جس کے آگے برآمدہ اور پھر رہائشی کمرے تھے۔

انزلہ کو شدید ٹھنڈ میں پھریری آ گئی تھی۔ اس نے ٹرے اٹھائی اور جلدی سے ساس کے کمرے میں آ گئی۔ انہیں چائے دے کر ان کی ڈھیروں دعائیں سنے بغیر اس نے ابا جی کو چائے بیٹھک میں پہنچائی تو اسے یاد آیا...... آج کے کاموں کی لمبی فہرست میں رات کو زعیم کے لیے دودھ بھی گرم کرنا تھا اور دودھ کے ساتھ انگوری بھی...... آخر تھے نا دیسی لوگ، دیسی خوراک کے بغیر کہاں گزارا تھا۔

دیسی گھی اور باداموں سے گندھی سوہن حلوے ٹائپ کی یہ انگوری ذائقے میں بہت ہی لذیذ تھی۔ وہ انگوری کی مہک کو اندر اتارتی دودھ گرم کر کے اندر آئی تو تب تک زعیم بھی کمرے میں آ چکا تھا۔

"میں تمہیں اس روپ میں دیکھ کر "مر" نہ جاؤں۔ یقین نہیں آتا کہ یہ کنیزانہ روپ تمہارا ہے۔" زعیم دودھ کا مگ پکڑ کر شرارتاً بولا تھا۔ اسے انزلہ کا وہی پہلے والا مغرور اکڑا اکڑا انداز یاد آیا۔ انزلہ جیسے خون کے گھونٹ بھر کر رہ گئی تھی۔

"کسی خوش فہمی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے آنٹی کی خاطر یہ سب کرنا پڑا۔ وہ اتنی ٹھنڈ میں کہاں لحاف سے باہر آ کر دودھ گرم کرتیں عالی جاہ کے لیے۔" بالآخر انزلہ نے اسے منہ توڑ جواب دے کر جتلا ہی دیا تھا کہ وہ جو کر رہی ہے بادل نخواستہ کر رہی ہے۔

"اچھا ہوا تم نے جلد ہی بتا دیا...... میں ایویں تم پہ "لٹو" ہو رہا تھا۔ اپنی تعریف واپس لیتا ہوں۔" زعیم نے خوش دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا تھا۔ اس کا موڈ خاصا خوشگوار تھا۔

"ویسے اگر تم اماں کو "آنٹی" نہ کہو تو اچھا لگے گا۔" ساتھ ہی اس نے انزلہ کو جتا بھی دیا۔

"ہونہہ، میں کیوں تمہاری اماں کو اماں کہوں......" اس نے دل ہی دل میں غصہ اتارا لیکن جواب دینا ضروری نہیں سمجھا تھا۔

"اچھا، چھوڑو، لیٹس چینج دی ٹاپک۔" زعیم نے "خوشگواریت" کا دامن ہرگز نہیں چھوڑا تھا۔ اس نے شاید ارادہ کر لیا تھا وہ اس کی کسی بھی بات پہ فی الحال برا نہیں مانے گا۔

انزلہ نے ناگواری چھپا کر بال کھولے۔ وہ روزانہ بالوں میں رات کو برش کرتی تھی اور چہرے کا مساج بھی۔ کھانے میں ناغہ ہو سکتا تھا مگر حسن نکھارنے میں نہیں۔ زعیم دودھ کے گھونٹ بھرتا ہوا اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کی طرف پشت کیے، اس کی باتوں پہ دھیان دیے بغیر مگن سی اپنے کام میں لگی رہی۔

اس کام سے فارغ ہو کر اس نے صوفے کی طرف رخ کیا تھا۔ بال پشت پہ لہرا رہے تھے۔ اس نے سمیٹنے کا تکلف نہیں کیا تھا۔ زعیم کو الجھن ہونے لگی۔ وہ دن بھر بال کھلے رکھتی تھی۔ نہ پونی لگاتی تھی نہ کیچر...... اسے الجھن بھی نہیں ہوتی تھی۔ اس کی بہن ایسی نہیں تھیں۔ انہوں نے تو کبھی دوپٹہ سر سے نہیں اتارا تھا اور انزلہ نے کبھی لیا نہیں تھا۔

"انزلہ......" اس کی پکار میں محسوس کی جانے والی "نرمی" تھی۔

انزلہ اس طرز تخاطب پہ ذرا کی ذرا چونکی۔ پھر اس نے "کیا" کہنے کا تکلف نہیں کیا تھا بلکہ ایک ابرو اچکا کر اشارتاً پوچھا "کیا؟"

"یہاں آؤ......" زعیم کی فرمائش پہ انزلہ ہکا بکا رہ گئی تھی۔

"جو فرمانا ہے۔ ادھر ہی سے فرما دیں، کان رکھتی ہوں، اونچا نہیں سنتی۔" کچھ دیر بعد انزلہ نے تڑخ کر جواب دیا تھا۔ زعیم برا ماننے کے بجائے ہنس دیا۔

"اللہ...... اللہ، اتنا ایٹی ٹیوڈ۔" اس نے مصنوعی حیرت کا مظاہرہ کیا تھا۔ "ویسے فرمانا تو بہت کچھ تھا۔ اگر تم موقع فراہم کرو تو...... بات دراصل یہ ہے کہ میں اتنے فاصلے سے کچھ "فرما" نہیں سکتا۔ قریب آؤ گی تو بات اچھی طرح سے سمجھا دوں گا۔"

"سوری، میں چل نہیں سکتی۔" اس نے صوفے پہ دونوں ٹانگیں رکھ کر کمبل خود پہ لپیٹا۔ زعیم لیٹے سے اٹھ بیٹھا۔

"ماشاء اللہ، سے میری سماعت کیا سن رہی ہے؟ یقین نہیں آتا؟ ویسے آپ چل نہیں سکتیں تو میں خادم کس لیے ہوں۔ کیا اٹھا کر لے جاؤں۔" وہ شرارتاً اپنی جگہ سے اٹھا تو انزلہ اسپرنگ کی طرح اچھل پڑی۔

"ارے نہیں...... نہیں، آتی ہوں میں۔" وہ

اتنی تیزی سے اٹھی تھی جیسے ایک لمحے کی تاخیر بھی ہوتی تو وہ اپنے ارادے پہ عمل کر گزرتا۔

دو تکیے پیچھے رکھے، دونوں ہاتھ بھی سر کے پیچھے باندھے، اسے دیکھ رہا تھا گرم نگاہوں سے اور لبوں پہ میٹھا میٹھا تبسم مچل رہا تھا۔

انزلہ پائنتی پہ بمشکل ٹکی تھی۔ پھر سلگتی نگاہوں سے زعیم کو دیکھ کر منہ پھاڑ کر کہا۔

"اب بولیں بھی۔" وہ بری طرح سے چڑی ہوئی تھی۔ جیسے کہہ رہی ہو۔ "اب بکو بھی"۔

زعیم بھی جان بوجھ کر اسے "زچ" کرنے پہ تلا ہوا تھا۔ اس کی "بے بسی" زعیم کو بڑا لطف دے رہی تھی۔ وہ جان کر منہ بند کیے اسے آنکھوں سے "ستا" رہا تھا، گہری گہری نگاہوں سے دیکھ کر۔

"کیا بولوں؟" اس نے نچلا لب دانتوں تلے دبا کر بڑی معصومیت سے پوچھا تھا۔

"جس کے لیے بلایا ہے۔" انزلہ نے منہ بنا کر جتلایا۔ زعیم جیسے کھل کر مسکرایا تھا آنکھوں میں معنی خیز سی چمک کچھ اور بڑھ گئی تھی۔

"او...... تو بڑی جلدی ہے کیا؟ اتنی بھی کیا بے صبری۔" اس کا انداز صاف تاؤ دلانے والا تھا۔

اس نے ہونٹ بھینچ کر بمشکل غصہ ضبط کیا۔

"واٹ ڈز اٹ مین......" اس کے تیور خاصے خطرناک تھے۔ زعیم نے جان بوجھ کر ڈرنے کی اداکاری کی۔

"پھر وہی جلد بازی؟ کیوں اتاؤلی ہوتی ہو۔" زعیم نے جیسے انزلہ کو پچکارا۔

زعیم نے اس کا ارادہ بھانپ کر پھرتی سے اٹھ کر اسے قابو میں کیا۔ وہ اس حملے کے لیے تیار نہیں تھی۔ فوراً ہی گھبرا گئی۔

"میری نیندیں چرا کر...... میں تو بڑا منتقم مزاج ہوں۔ فوراً ادلے کا بدلہ لیتا ہوں۔ اب تمہاری "نیند" چراؤں گا۔ تب ہی تو "چین" پاؤں گا۔" اس کا کہنا، کچھ بولتا لہجہ، واضح اشارے دے رہا تھا۔

پہلی مرتبہ انزلہ کا دل بڑے ہی زور زور سے دھڑکا تھا۔ وہ بری طرح سے گھبرائی، تلملائی۔

کہیں دور ادیبہ کی نصیحتیں اور تنبیہہ "رکاوٹ" کھڑی کر رہی تھیں۔

"خود کو بچا کر رکھنا۔ یہ دیہاتی بڑے اجڈ اور بدتہذیب ہوتے ہیں۔" شاید وہ اپنے "تجربوں" کی آڑ میں اسے چوکنا کرتی تھی۔ دیہاتیوں کے بارے میں اس سے بہتر بھلا کون جانتا تھا؟

اور ایک ادیبہ ہی تو تھی۔ اس کے دکھ، درد کو سمجھنے والی۔ اس پہ ٹوٹنے والی قیامت کا حال جاننے والی۔ باقی اس کے اپنے تو اسے ایک بوجھ کی طرح اتار کر پھینک کے خود چلے گئے تھے۔ اپنی زندگیوں میں مگن ہو چکے تھے۔

وہ گھبراہٹ میں خود کو چھڑاتی ذرا دور ہٹی تھی لیکن زعیم نے اس کی کمزور سی کوشش ناکام بنا دی تھی۔

"کیوں بھاگ رہی ہو؟" اس کا لہجہ گمبھیر تھا۔

انزلہ کی گھبراہٹ دوچند ہو گئی۔

"آپ کے ساتھ مسئلہ کیا ہے؟" انزلہ نے بمشکل اپنا بکھرتا اعتماد یکجا کیا تھا۔ وہ اس کے سوال پہ چونک گیا۔

"مسئلہ تو ہے نا...... تم حل کر دو۔" اس کی جھنجلاہٹ پہ زعیم نے کان نہیں دھرے تھے۔

"کک کیا ہے؟" انزلہ حواس باختہ تھی۔

"تم نے میرا دل چرا لیا ہے...... چین چرا لیا ہے...... پورے کا پورا زعیم چرا لیا ہے۔ ابھی بھی پوچھتی ہو۔ مسئلہ کیا ہے؟" اس نے انزلہ کو باتوں کے گھیرے میں یوں لیا کہ وہ پہلی مرتبہ لاجواب ہو گئی تھی۔ پھر زعیم نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تو وہ چاہ کر بھی مزاحمت نہیں کر سکی تھی۔

"آپ پاگل ہو چکے ہیں۔" اس نے تڑپ کر کہا۔

"تم نے کر دیا ہے۔" زعیم کی آواز نرم اور بوجھل تھی۔ جذبات کی تپش سے اس کے گال بھی تپ رہے تھے۔ سرخ، آگ سے۔ انزلہ کو نگاہ اٹھانی محال تھی۔ اس نے بمشکل اپنا ہاتھ چھڑوایا۔

"چھوڑیں بھی مجھے۔"

"کیوں چھوڑوں؟" زعیم نے جیسے اپنے دل کی بات اس تک پہنچائی تھی۔ انزلہ چپ سی رہ گئی۔ ہونٹ کاٹتی وہ خاصی خفیف تھی۔

وہ یہ بات سوچ ہی نہیں رہی تھی کہ اگر زعیم نے فاصلے بڑھانے میں اس کے وجود کی نفی کر دی تھی تو اب فاصلے مٹانے میں بھی تو پہل وہی کر رہا تھا۔

وہ اس کا "گریز" سمجھ رہا تھا۔ یہ گریز حیا پہ محمول نہیں تھا۔ وہ کافی دیر اس کے ناگوار تاثرات کا مطالعہ کرتا رہا۔ وہاں پہ غصہ تھا اور عجیب سی بیزاری بھی...... غصہ سمجھ میں آتا تھا۔ بیزاری سمجھ میں نہیں آتی تھی۔

ویسے بھی زعیم نے اب تک انزلہ کے رویے اور مزاج سے اخذ کیا تھا کہ محترمہ یونی ورسٹی کی فارغ التحصیل ضرور ہیں مگر عقل کے معاملے میں قطعاً کوری ہیں۔ انتہائی بیوقوفانہ قسم کی "اکڑ" تھی اس میں۔

اب اسے کیا کرنا چاہیے تھا؟

انزلہ کو اس کے حال پہ چھوڑ دیتا اس کی مرضی اور "رضا" پہ چھوڑ دیتا یا پھر اس کے ساتھ زبردستی کا مظاہرہ کر کے اسے "جتا" دیتا کہ وہ اپنی پرانی اکڑ اور روش کو بھول جائے۔ یہ اس کے شوہر کا گھر ہے باپ کا نہیں۔

وہ کافی دیر سوچ "بچار" کے بعد دھیمے انداز میں مسکرایا۔ تب تک وہ اس سے ہاتھ چھڑا کر واپس کمبل میں غروب ہو چکی تھی۔

وہ کچھ سوچ کر اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔ پھر الماری میں کچھ دیر تک کھٹ پٹ کرتا رہا۔ انزلہ کمبل کے نیچے اس کی ساری "مصروفیت" پہ کان دھرے ہوئے تھی۔

کچھ دیر بعد اسے قدموں کی چاپ قریب سنائی دی تھی۔ اس کا دل کانوں میں دھڑکنے لگا۔ ادیبہ نے اسے سمجھایا تھا اگر وہ اس شادی کو قائم نہیں رکھنا چاہتی تو کبھی بھی اپنے "اجڈ شوہر" کو "اپنانے" کی کوشش نہ کرے۔

اور اس نے ادیبہ سے خود کہا تھا۔

"میں بھائیوں اور امی کے سامنے وقتی طور پہ "بے بس" ضرور ہو چکی ہوں مگر میں کبھی بھی روشنیوں کے اس شہر کو چھوڑ کر اسی چھوٹے سے دیہات میں ـــــ نہیں رہ سکتی مائی فٹ میرے لیے وہ دیہاتی رہ گیا تھا۔"

یہ تب کی بات تھی جب اس کا نیا نیا رشتہ زعیم سے جڑا تھا۔ وہ غم و غصے اور نفرت و حقارت کی انتہا پہ تھی۔ تب ادیبہ بھی اس کا برابر ساتھ دیتی تھی۔ گو کہ وہ خود بھی دیہاتی ماحول کی پروردہ تھی مگر پھر بھی ایک لمبا عرصہ شہر میں رہ کر تعلیم حاصل کرنے کے بعد جب اس کی شادی ایک "ان پڑھ" مرد سے ہوئی تب ادیبہ کس قدر پریشان تھی۔ گو کہ اس کا سسرال معاشی طور پر مضبوط تھا۔ ادیبہ جیسی نفیس لڑکی کے کتنے ہی خواب ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گئے تھے۔ ایک ایسے شخص کے ساتھ زندگی گزارنا جس سے مزاج ہی نہ ملتا ہو کس قدر اذیت ناک تھا۔

جب انزلہ نے اسے رو رو کر بتایا کہ "میرے بھائیوں نے مجھ سے جان چھڑانے کے لیے ایک دیہاتی، پینڈو، ان پڑھ اور اجڈ شخص کے پلے باندھ دیا ہے تب ادیبہ نے تڑپ کر اسے اپنے بھیانک تجربے کی روشنی میں سمجھایا تھا۔

"تم انکار کر دو انزلہ! میں جانتی ہوں۔ تم کبھی بھی کسی گاؤں میں سروائیو نہیں کر سکتیں...... تم خود کو اندھے کنویں میں مت گراؤ۔"

بہت مشکل سے ہی سہی مگر وہ اپنے قطعاً بدتہذیب شوہر کے ساتھ زندگی کی گاڑی کو چلانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ اس دوران وہ خود کیا سے کیا ہو چکی تھی یہ کوئی نہیں جانتا تھا۔ لیکن وہ انزلہ کو اس "آبلہ پائی" کے سفر سے روکنا چاہتی تھی۔

جب انزلہ کی ہزار کوششوں کے بعد زعیم سے شادی ہو گئی تب ادیبہ کی ایک اور بات اسے یاد آئی تھی۔

"فرض کرو تمہاری شادی ہو جاتی ہے تو خدارا، کبھی اس موڑ پہ اپنے آپ کو مت لے آنا جہاں بچے تمہارے پیروں کی زنجیر بن جائیں۔ میں تمہاری نیچر سمجھتی ہوں۔ تم کسی طور کمپرومائز نہیں کر سکتیں تو بہتر ہے کسی انتہائی

فیصلے سے پہلے تم اپنے شوہر کو اپنے سے فاصلے پہ رکھو۔ تاکہ راہیں جدا کرنا تمہارے لیے آسان ہو۔"

ادیبہ جیسے اس کے قریب بول رہی تھی۔ اس نے گھبرا کر زعیم کی طرف دیکھا۔

"کک، کیا ہے؟" انزلہ کے حواس بے قابو تھے۔ رنگ اڑ رہا تھا۔

"یہ......" زعیم نے اپنے ہاتھ کو سامنے کیا۔ مٹھی ابھی بند تھی۔ اور وہ بند مٹھی کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ وہ ہونقوں کی طرح زعیم کو دیکھنے لگی۔

اس نے مٹھی کو ذرا سا کھولا تو نیچے سے ایک خوب صورت مالا پھسل کر ہاتھ میں لٹک گئی تھی۔ وہ مبہوت سی خوب صورت مالا کے موتیوں کو دیکھتی رہ گئی۔

"یہ تمہاری رونمائی کا تحفہ جو اس رات بدمزگی کی نذر ہو گیا تھا۔ اینی وے یہ تمہارا تھا۔ تمہارا ہے۔ تمہارے لیے خریدا تھا...... میں پہنا دوں؟" اس کا کھنکتا لہجہ بہت سرشار تھا۔ وہ اس سے اجازت طلب کر رہا تھا۔

انزلہ گومگو کی کیفیت میں مبتلا تھی۔ گپ چپ، خاموش، مہر بہ لب...... اس کے لبوں سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا...... نہ وہ مزاحمت کر سکی...... نہ اسے جھٹلا سکی۔

دراصل زعیم کی پر اثر شخصیت کا رعب ہی ایسا تھا وہ اس کے حواسوں پہ ہی نہیں، اس کی ذات پہ بھی چھاتا چلا گیا تھا۔ یوں کہ اس کی ظاہری سی مزاحمت بھی رک کر دم توڑ گئی تھی۔

☆☆☆

اگلی صبح بہت نکھری اور شفاف تھی...... کم از کم زعیم کو تو بہت شفاف لگ رہی تھی۔ حالانکہ باہر قیامت کے بادل تھے۔ موسم اچانک بدلا اور پورا آسمان بادلوں سے ڈھک گیا۔

زعیم کو آج جانا تھا۔ وہ بڑی سست روی سے پیکنگ کر رہا تھا۔ انزلہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی شرٹس کے ڈھیر استری کے بعد بیڈ پہ رکھ رہی تھی۔ جسے ایک کے بعد ایک کر کے وہ اپنے بیگ میں ترتیب سے رکھ رہا تھا۔ کمرے میں معنی خیز سی خاموشی چھائی ہوئی تھی جسے کچھ دیر بعد زعیم کی آواز نے توڑا تھا۔

"خواہ مخواہ اتنے دن ضائع کیے۔ بے کار کی جھوٹی انا میں۔ ساری چھٹی کا بیڑہ غرق کر دیا۔" زعیم کی افسوس میں ڈوبی آواز ابھری تو انزلہ بھی چونک سی گئی۔ معنی خیز انداز میں مسکراتا وہ اسے دیکھ رہا تھا۔

"تو کس نے جھوٹی انا کا پرچم بلند کیے رکھا۔" انزلہ نے تیکھی نظر سے اسے دیکھا تو وہ سستی کے ساتھ کپڑوں کے ڈھیر کو پیچھے ہٹا کر خود بیڈ پہ نیم دراز ہو چکا تھا۔

"تم نے......" زعیم نے آرام سے کہا۔

"میں نے......" وہ اس الزام پہ تڑپ اٹھی تھی۔

"ہاں تو۔" زعیم نے خواہ مخواہ جمائی لی تھی۔

"میری دس چھٹیاں تم نے برباد کیں۔" زعیم کا قلق ہی نہیں ختم ہو رہا تھا۔ انزلہ کا نہ چاہتے ہوئے بھی موڈ اچھا ہو گیا۔ اس نے چور نگاہوں سے بیڈ پہ لاپروائی سے الٹا لیٹے زعیم کی طرف دیکھا۔ اس کے دل نے ہلکی سی ایک بیٹ مس کی تھی۔

"اوں...... ہوں، یہ اتنا بھی برا نہیں...... اسی لیے سب گھر والوں کو پسند آ گیا تھا...... لیکن یہاں کا ماحول۔" وہ لمحہ بھر کے لیے اٹکی تھی۔ پھر سر جھٹک کر زعیم کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"انزلہ......" وہ سوچوں میں گم تھی۔ جب زعیم کی پکار اٹھی اس نے بالوں کو جھٹک کر ایک مرتبہ پھر گردن موڑی تھی۔

نرم گرم تاثرات بھک سے اڑ گئے تھے۔

"یہ اس قابل ہی نہیں......" انزلہ بری طرح سے جز بز ہوئی تھی۔ "بدتمیز، انسان......"

"کیا بد دعائیں دے رہی ہو اونچا بولو اذرا۔" زعیم کے کان فوراً کھڑے ہوئے تھے۔ انزلہ نے سر جھٹکا۔

"کچھ نہیں کہا۔ وقت دیکھ رہے ہیں آپ بارش بھی ہوا ہی چاہتی ہے۔ سائم کو کال کریں۔ وہ آپ کو اسٹاپ تک چھوڑ دے۔ ابھی اماں گیارہویں مرتبہ پوچھنے آئیں گی کہ آپ تیار ہوئے یا نہیں......؟"

انزلہ نے اسے گزرتے وقت کا احساس دلایا۔ زعیم کو جیسے مطلق پرواہ نہیں تھی۔ اسی طرح لیٹا ٹانگیں جھلاتا رہا۔

"ویسے اندر سے تم بھی چاہتی ہو، میں نہ جاؤں بس منہ سے اقرار نہیں کرتیں۔ کمبخت انا جو آڑے آتی ہے۔ ویسے میں بھی زعیم عباس ہوں۔ لوگوں کی انا کو چاروں شانے چت کر ڈالتا ہوں۔ ایسے بے بس ہوتے ہیں کہ" وہ ایک آنکھ میچ کر شرارتاً بولا تو انزلہ مارے توہین کے پھڑ پھڑا کر رہ گئی تھی۔

"میں نے تمہارے "گپ چپ" تاثرات اور مہر بہ لب خواہش کو جان لیا ہے۔ خاموشی کا ایک مطلب "اداسی" بھی ہوتا ہے۔ مطلب تم اداس ہو۔ میرے جانے سے میرے بغیر تمہیں نیند بھی نہیں آئے گی۔" اس کی چلتی زبان نان اسٹاپ تھی۔ نہ رکنے والی۔ اور سدا کی منہ پھٹ انزلہ دل ہی دل میں تاؤ کھاتی جواب دینے کو مچل رہی تھی۔

"ویسے ایک بات تو بتاؤ۔ تمہیں مجھ پہ غصہ بہت ہے۔ چہرے پہ ناراضی بھی تھی اور ناگواری بھی۔ پھر رات کو کیا ہوا۔ اتنا پگھل کیسے گئیں؟" زعیم اس کے صبر پہ آخری ضربیں لگاتا ایک مرتبہ پھر مسکرایا تھا اور انزلہ کا دل چاہا کہ گرم گرم استری اس کے سر پہ دے مارے۔ انزلہ تو مارے غم و غصے کے بھڑ بھڑ جل رہی تھی۔

"پورا کمینہ ہے آدھا نہیں......" اس نے بالآخر اپنی تپش بڑبڑا کر نکال ہی لی تھی۔

اسے مسلسل "چپ" دیکھ کر زعیم پہلے تو چونکا تھا پھر گردن اچکا کر انزلہ کو دیکھا۔ اس کی پشت پہ کھلے بال مرتعش تھے۔ وہ کپڑوں کو پریس کر رہی تھی۔ اس کی زعیم کی طرف پشت تھی۔ وہ ایک ہی جست میں انزلہ کے برابر آ کھڑا ہوا تھا۔ یوں کہ وہ بے ساختہ چونک گئی تھی۔

"انزلہ!" اس کی پکار میں اتنی مٹھاس تھی کہ انزلہ کا سارا غصہ جھاگ کی مانند بیٹھ گیا۔ آخر وہ اسے اتنا بے بس کیسے کر دیتا تھا؟ اور وہ اس کے سامنے کیوں اتنی "نرم" پڑ جاتی تھی، آخر کیوں؟

"جی......" نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے لبوں سے یہ کمزور سا "جی" برآمد ہوا تھا۔ وہ اس کی کھلی زلفوں پہ ہاتھ پھیرتا کان کے قریب چہرہ کرتے ہوئے بھی بولا تھا۔

"تمہاری ان مشک فام زلفوں میں میرا دل الجھتا ہے...... خدارا، انہیں سمیٹ کر رکھا کرو۔" اس نے سرگوشی کی تھی۔ تب ہی باہر سے صائم کی آواز پر چونک گیا تھا۔

☆☆☆

انزلہ کو اندازہ ہی نہیں تھا...... زعیم کے چلے جانے کے بعد زندگی ایک دم جمود کا شکار ہو جائے گی۔ یوں لگتا تھا ساری رونق زعیم کے دم سے تھی۔ وہ پورا ہفتہ مزید گزار کے گیا تھا۔ اس نے یونٹ فون کر کے چھٹی بڑھوالی تھی۔

جب وہ چلا گیا تب انزلہ کو پہلی مرتبہ احساس ہوا تھا۔ اس نے انزلہ کے ساتھ کتنا تعاون کیا اور کتنا خیال بھی رکھا...... وہ ہر کام میں اس کی رہنمائی کرتا تھا۔

گھر کے کاموں کا لمبا چوڑا سلسلہ نہیں تھا...... کیونکہ افراد ہی کم تھے۔ صفائی کے لیے کام والی آتی تھی۔ بس جھاڑو پوچا کرتی اور چلی جاتی۔ ناشتہ انزلہ بناتی کچا پکا سا...... جیسا تیسا، سب ہی نام دھرے بغیر کھا لیتے تھے۔

دوپہر میں تازہ سالن بنتا تھا۔ اور رات کو بھی چاہے سبزی ہوتی چاہے دال۔ تازہ بنائی جاتی تھی۔ زعیم اس کی برابر مدد کرواتا...... اگر وہ مشین لگاتی، کپڑے کھنگالتی تو وہ الگنی پہ ڈال آتا۔ انزلہ استری کرتی اور وہ الماریوں میں سیٹ کرتا۔ حتیٰ کہ کام والی سے صفائی بھی سر پہ کھڑے ہو کر کرواتا تھا۔

زعیم گیا تو انزلہ کو پتا چلا گھر کی ذمہ داری کیا ہوتی ہے؟

اسے ایک مہینے میں ہی دانتوں تلے پسینہ آ گیا۔ وہ اتنا گھبرائی کہ پہلی مرتبہ آپی کو کال کر کے بے بھاؤ کی سنائیں۔

"مجھے دوزخ میں پھینک کر چلی گئی ہیں۔ میری

زندگی جہنم بنادی۔'' آپی سے طویل جھگڑے کے بعد ان کی ایک بھی محبت بھری نصیحت سنے بغیر دل کھول کر امی کو باتیں سنائیں۔ وہ جو کبھی ایک بیٹے کے پاس انگلینڈ جارہی تھیں اور کبھی دوسرے کے پاس سڈنی۔

انزلہ کا دل کڑھ کڑھ کے جل رہا تھا۔

وہ کہاں ایک دیہات کے ایک چھوٹے سے گھر میں پڑی تھی اور اس کے بہن بھائی عیش ـــــ کررہے تھے۔ اسے رہ رہ کے رونا آرہا تھا۔

امی اس کے رونے دھونے پہ گھبرا گئی تھیں۔ پھر ان کی نصیحتیں شروع ہوئیں۔ زعیم کی تعریفوں پہ انزلہ نے اپنے کان بند کرلیے تھے...... پھر غصے میں کال ہی کاٹ دی۔

کوئی بھی اس کے جذبات نہیں سمجھ رہا تھا۔ سوائے ادیبہ کے۔ اب زعیم نہیں تھا تو وہ کھل کر سب کو یاد کرسکتی تھی حتیٰ کہ ادیبہ کو بھی۔

امی اور آپی سے بات کرکے دل کی بھڑاس نکالنے کے بعد اس نے ادیبہ کو بھی فون کردیا تھا۔ پہلی مرتبہ ہی کال لگ گئی تھی۔ ادیبہ کا نمبر آن تھا۔ اس کا دل بلیوں اچھل پڑا۔

انزلہ نے فون لگتے ہی اسے بے بھاؤ کی سنائی تھیں۔ جواباً پہلے تو وہ لمبی چوڑی ڈانٹ کو سنتی رہی تھی پھر گہرا سانس کھینچ کر بولی۔

''جانتی تو ہو، میرے میاں کو یہ ٹیلی فونک رابطے پسند نہیں، شروع میں تو سخت پابندی تھی۔ اب تو پھر کچھ نہیں کہتے ـ وقت کے ساتھ تبدیلی آ ہی جاتی ہے'' ادیبہ نے رسانیت سے سمجھایا تو انزلہ نے آہ بھری...... کہہ تو وہ ٹھیک ہی رہی تھی۔ وہ بھی کتنا بدل گئی تھی۔

ڈھیروں فکریں دامن گیر رہتی تھیں اب۔

ابا جی کو چائے دینی ہے۔ اماں کو وقت پہ دوا...... دودھ ابالنا ہے، صفائی کروانی ہے پھر زعیم کے لمبے لمبے فون لگتا تھا کہ فوج میں اسے فون کرنے کے سوا کوئی کام ہی نہیں۔ چولہے پہ رکھا دودھ ابل ابل کر ختم ہی ہوجاتا۔

''تم سناؤ میری جان! کیسی گزر رہی ہے؟ کیا دل لگا، ایڈجسٹ ہوگئیں تم سسرال میں ......؟''

ادیبہ نے نرمی سے پوچھا تھا۔ انزلہ بس ٹھنڈی آہ بھر کر رہ گئی تھی۔

''بس یار! کاموں کا انبار ہوتا ہے۔ دن چڑھتا ہے اور ڈھل جاتا ہے۔'' انزلہ کا لہجہ اداس سا تھا۔

''اگر کمپرومائز کرنے کا فیصلہ کر ہی چکی ہو تو میری جان یہ رنجیدگی کیوں؟''

''پورا دن کام ہی کتنا ہوتا ہے۔ اکثر آپا آجاتی ہیں تو وہی دو تین دن کا سالن بنا جاتی ہیں۔ میرے ہاتھ کا سالن کھانے سے شاید توبہ کرلی گئی ہے۔ نند کے بیٹے کی آج کل چھٹیاں ہیں...... وہ پیپر دے کر آچکا ہے۔ صبح ناشتہ دے جاتا ہے۔ رات میں روٹی بھی پہنچا دیتا ہے۔ اور کمپنی بھی دینے کی کوشش کرتا ہے۔ نند بھی اپنے بھائی کے پاس گئی ہے۔ سمجھو، میرا دن دیواروں کو تکتے گزرتا ہے۔'' انزلہ نے اپنے معمولات کڑھ کڑھ کر بتائے تھے۔ ادیبہ نے ساری بات دھیان سے سنی تھی۔ پھر اچانک چونک گئی۔

اس پورے قصے میں انزلہ نے اپنے پینڈو شوہر کا ذکر بھی نہیں کیا تھا۔

''تو وہ کدھر ہے جسے تم منحوس، اجڈ اور پینڈو کہا کرتی تھیں؟ تمہارا نکھٹو شوہر؟'' ادیبہ نے بڑی سنجیدگی سے سوال کیا تو انزلہ اس کے ''نکھٹو'' کہنے پر تھوڑا کھسیا گئی تھی۔ انزلہ نے یہ القاب زعیم کو خود دیے تھے۔ اسے یاد تھا...... وہ زعیم کے بارے میں جانے بغیر کیا کچھ بکواس نہیں کرتی تھی۔

''ادیبہ! وہ پینڈو ہے۔ ان پڑھ، دو جمع چار کرنے والا، کھیتوں میں ہل چلانے والا ـ میرے بھائیوں نے مجھے کسی بوجھ کی طرح اتار پھینکا ہے۔''

''وہ ایکچوئلی...... جاب مطلب اپنی جاب پہ۔''

اس نے اٹک اٹک کر بتا ہی دیا تھا۔ ادیبہ کو اچھا بھلا شاک لگا۔

''ہیں...... کیا واقعی تب ہی میں بھی کہوں، یہ کیسے ممکن ہے کہ تمہارے بھائی تمہیں کسی عذاب کی

طرح اپنے سر سے اتار پھینکیں۔ وہ تم پہ اتنا ظلم کیسے کرسکتے تھے۔ اس لیے مجھے یقین نہیں آیا تھا۔'' ادیبہ نے گہرا سانس بھر کے جتایا۔

''اس بات کو چھوڑو...... میری زندگی تو عذاب ہے مجھے یہاں باندھ گیا۔ اپنے ماں باپ کی خدمت کے لیے سارا دن ''مجتی'' رہتی ہوں۔ کبھی ساس کی خدمت، کبھی سسر کی ...... دل کرتا ہے خودکشی کرلوں شوہر بھی لاپرواہ۔''

انزلہ کے پاس ہمدردیاں بٹورنے کے بڑے گُر تھے۔ ادیبہ کو ایک مرتبہ پھر ترس آیا تھا۔ کہاں محلوں میں رہنے والی نازک اندام انزلہ اور کہاں گاؤں کا ماحول پھرا اکھڑ ساس، نندوں اور دیوروں کا جمگھٹا۔ ادیبہ کو بے پناہ ترس آیا۔

''تم اپنے شوہر سے کہو...... تمہیں ساتھ لے جائے۔ تم اس کی خاطر آئی ہو۔ اس کے گھر والوں کی خاطر نہیں۔'' ادیبہ نے ایک اور مخلصانہ مشورہ پیش کیا تھا۔ جو اسے بے حد پسند آیا۔

''ہائے، یہ مجھے خیال کیوں نہیں آیا پہلے کی بات اور تھی۔ زعیم نہیں مان سکتا تھا۔ لیکن اب تو ضرور مانے گا۔ آخر میری محبت کا دم بھرنے لگا ہے۔'' وہ اس کی سابقہ ''بے قراریوں'' پہ بے ساختہ خوش ہو کر سوچ رہی تھی۔

''تمہارے لیے گاؤں کے ماحول میں رہنا دشوار ہوگا۔'' ادیبہ اس کی نازک اندامی کے باعث کہہ رہی تھی۔

پھر انزلہ بھی ہمدردی پا کر اپنی جٹھانیوں کی چالاکیاں بتانے لگی۔

''ارے، سوچی سمجھی اسکیم پہ تمہیں یہاں پھنسا کر چلتی بنی ہیں...... اپنے اپنے شوہروں کو دام میں کر رکھا ہے۔ اور تمہاری چالاک نند بھی میٹھی بن کے مطلب نکال رہی ہے۔ تمہیں چاروں طرف سے گھیر رہے ہیں۔'' انزلہ کے بتانے پر ادیبہ نے اپنا تجزیہ پیش کیا تھا۔

''کچھ نہ پوچھو...... میری ساس سگی مامی تھیں۔ سوئی کے منہ سے گزارا ہے مجھے۔ بڑی خواری اٹھائی پانچ سال میں نے ...... نہ شوہر ہم مزاج، ہم خیال...... نہ قدر کرنے والی سسرال، ساس سیر تھیں نند سوا سیر۔ جٹھانی سب پہ حاوی۔ اتنے سالوں کی تپسیا اب کام آئی۔ شوہر نے اچانک باہر آنے کا پروگرام بنا لیا...... ریاض میں پیسہ لگایا تھا اپنے کاروبار میں۔ اچھا چل پڑا تو عمرے کے بہانے مجھے بھی بلا لیا۔ بچے بھی ساتھ ہیں۔ ان کے اسکول میں ایڈمیشن بھی کروا دیے۔ اب زندگی میں سکون ہی سکون ہے۔ ماں کے گھیرے سے نکلے ہیں تو میری خوبیاں کھلی ہیں۔ میری تعلیم، میری ذہانت، میرا حسن اخلاق تب ان کی نظر میں دو کوڑی کا تھا۔ اب کہتے ہیں تم اللہ کا انعام ہو میرے لیے۔ صد شکر کہ تمہاری چھوٹے چچا کے گھر شادی نہیں ہوئی۔ ان کے پڑھے لکھے بیٹے کو تو بہت مل جاتیں۔ پر مجھے تمہارے جیسی کبھی نہ ملتی۔'' اس لیے تو تم سے اتنا عرصہ ہوا رابطہ نہیں کرسکی۔ نئی جگہ، نیا شہر، نیا ملک تھا۔ سیٹ ہونے میں بڑا ٹائم لگا۔'' ادیبہ کی خوفناک زندگی میں جو، اب موڑ آیا تھا۔ وہ خاصا خوشگوار تھا۔ انزلہ کو خوشی بھی ہوئی اور رشک بھی آیا۔

ادیبہ پھر اس سے آگے تھی۔ ایک دیہی ماحول سے ہمیشہ کے لیے نکل کر پہلے ایک بڑے گھر میں گئی اور اب ملک سے بھی باہر چلی گئی تھی۔

''اللہ کرے تمہاری زندگی میں بھی سکون آئے۔ میں تمہارے لیے بہت دعا کروں گی۔ جیسے شوہر کے ساتھ کچھ نہ کچھ کمپرومائز کرلیا ہے۔ ویسے ہی اس کے گھر والوں کے ساتھ کرلو...... جانتی ہوں سسرال سسرال ہی ہوتا ہے...... تم سونے کی بھی بن جاؤ تب بھی تم میں کیڑے نکالیں گے۔'' اس نے اپنا پورا پورا تجزیہ بیان کیا تھا۔ پھر اس کے شوہر آ پہنچے تو فون بند ہوگیا۔ مگر انزلہ کے دماغ کی کئی کھڑکیاں کھل چکی تھیں۔

وہ کیوں ایک لمبی آزمائش سے گزر کر من پسند زندگی پاتی۔

جو کل ملنا تھا وہ آج ہی کیوں نہیں۔

اس میں نہ صبر تھا نہ حوصلہ نہ ادیبہ جیسی ہمت...... نہ عقل، نہ سوجھ بوجھ...... وہ دل سے سوچتی تھی اور کر گزرتی تھی۔

اب بھی ایک فیصلہ کیا اور اڑ گئی۔

اسے ہر صورت زعیم کو منانا تھا۔ اسے اپنے ساتھ لے جائے۔ وہ اسے چھوٹے سے گھر میں ایک لمبا عرصہ گزار کے "اچھی بہو" کے سرٹیفکیٹ کی چاہ نہیں رکھتی تھی...... اسے نازو اور صدف کی طرح اچھا بننے کا کوئی شوق نہیں تھا...... اس نے ایک فیصلہ کیا اور مطمئن ہو گئی۔

☆☆☆

زعیم اس کے لیے بہت اچھا تھا۔ یہاں تک بات ٹھیک تھی۔ لیکن اس دن زعیم کی تائی اپنے بنگلے سے ان کے غریب خانے میں جلوہ افروز ہوئیں تو انزلہ کی اچھی بھلی پُرسکون ندی جیسی زندگی میں کئی کنکر ایک ساتھ اٹھا کر پھینکے۔ گو کہ وہ یہاں خوش نہیں تھی مگر ظاہر نہیں کرتی تھی۔ لیکن جانے زعیم کی تائی نے کیسے کھوج لگا لیا تھا۔ ان کی دوربین جیسی نظروں نے انزلہ کو اندر تک کھنگال ڈالا۔

"اے لڑکی! تم تو ایسی ویران لگتی ہو جیسے پرانا کھنڈر —— کیا خوش نہیں تم۔ چہرے پہ ویرانی برستی ہے۔" انہوں نے اچانک ہی اسے آڑے ہاتھوں لیا تو وہ لمحوں میں بوکھلا اٹھی۔

"نن...... نہیں تو۔" انزلہ کو کوئی جواب ہی نہ سوجھا۔ وہ اس حملے کے لیے تیار ہی نہیں تھی۔

"کیا میں جھوٹ کہتی ہوں...... تیرا بھی کوئی قصور نہیں...... ماں اور بھائی تجھے کسی بوجھ کی طرح اتار کر پھینک گئے۔ نہ مڑ کر آئے نہ خبر لی۔ پھر شوہر بھی ایسا لاپرواہ...... تین مہینے ہوئے پلٹ کر نہ آیا۔ پہلے تو ہر ہفتے بھاگا آتا تھا...... ہاہ، رومانہ نے بھی تو زبردستی کی...... وہ کہاں مان رہا تھا۔ شہر سے لڑکی لانے کو۔ دل جو پھوپھی کے گھر اٹکا رکھا تھا۔ بیاہتا لڑکی سے۔" ان کے تیور ہی نہیں الفاظ بھی زہر میں بجھے تھے۔ انزلہ تو جیسے چکرا گئی تھی اور چکر تو اماں کو بھی ایسے آئے کہ بمشکل ہی سنبھل پائیں۔

"بھابھی جی! توبہ استغفار پڑھیں، کیا کفر بولتی ہیں۔ میرے بچے اور ادی پہ الزام تو نہ رکھیں۔ بہن بھائیوں سا پیار تھا بچوں میں...... اتنا بڑا الزام اللہ توبہ...... پھر آپ جانتی تو ہیں کہ زعیم شہر سے دلہن لانے پہ کیوں اعتراض کرتا تھا۔ باقی خبردار جو آپ نے میرے زعیم پہ بہتان لگایا — ادی پہ...... توبہ، توبہ کیا اندھیر ہے اپنی بہو پہ کیچڑ اچھالتی ہیں۔ اب تو معاف کر دیں بے چاری کو...... جانے کس گناہ کی سزا ملی اسے۔ ایسی گنوں والی بچی کو "رول" کر رکھ دیا۔ صد شکر کہ اس کی زندگی میں اب آسانی ہوئی۔ اللہ نے اشفاق کی آنکھیں کھول دیں۔ ورنہ اس محل میں بے چاری بچی کو کون سا سکھ ملے۔" اماں تو تڑپ کر بولتی چلی گئی تھیں۔ ان کا صدمے اور دکھ سے برا حال تھا۔

تائی کو دیورانی کے الفاظ پتھر کی طرح لگے تھے۔ انزلہ کے سامنے اس عزت افزائی پہ جل بھن گئی تھیں۔

"میرے گھر میں کون سا اس پہ ظلم کے پہاڑ ٹوٹے تھے؟ تمہیں بھول گیا رومانہ کے ساتھ اس کی ماں کا رویہ۔ یہ تو ادلے کا بدلہ ہے۔ نہ رضیہ نے اپنی اکلوتی بہو کو عمر بھر سکھ لینے دیا اور نہ ہی اس کی بیٹی کو میرے گھر چین ملا۔" تائی کے پاس گھڑا گھڑایا جواب موجود تھا۔ اماں تو ہکا بکا رہ گئیں۔

"تو پھر آپ کیوں بھول رہی ہیں اگر ادی اور روزی کو آپ کے گھر سکون نہیں ملا تو شائقہ اپنی سسرال میں پھولوں کی سیج سجا کر بیٹھے گی۔" اماں بھی جواب دینے پہ آتیں تو مقابل کو چاروں شانے چت کر دیتی تھیں۔ تائی لمحہ بھر کے لیے چپ ہی رہ گئیں۔

"آں...... ہاں تم تو ادی کی دیوانی ہو۔ اسے بہو نہیں بنا سکیں۔ ورنہ تم نے تو بڑا زور لگایا تھا۔ رضیہ کی دھمکیوں سے ڈر کے۔" تائی کو بھی بھولی بسری باتیں اچانک یاد آ گئی تھیں۔

"ادی میں کیا کمی تھی، بس بچے ہی نہیں مانے۔ بہن سمجھتے تھے اسے علیم اور عظیم۔" اماں نے لب بھینچ کر کہا۔

"میں تو زعیم کی بات کر رہی ہوں۔ وہ تو مان رہا تھا۔ اس کی کر دیتیں۔ میرے پلے تو نہ پڑتی۔ ڈائن نے میرا بیٹا چھین لیا۔" تائی جانے کب کے انگارے چبائے بیٹھی تھیں۔

"اپنی بہن رومانہ کے لیے ہی مانا تھا۔ پھوپھی کی دھمکیاں سن کر۔ لڑائی ختم کرنے کے لیے۔ پھر رضیہ نے ضد میں آ کر اشفاق کو رشتہ دے دیا۔" اماں نے تائی کو بہت کچھ یاد دلایا تھا۔

"اچھا...... اچھا، بس کرو اس کی وکالت۔ میں تو تمہاری بہو کی بات کر رہی ہوں۔ بچی مرجھا کر رہ گئی ہے۔" تائی جب لاجواب ہو گئیں تو پھر لمحوں میں بات پلٹ دی تھی۔ اماں نے گہرا سانس بھرا۔

"اس کے میکے والے تو اچھے نکلے۔ پلٹ کر خبر نہیں لی۔ صدف کی دفعہ تو ایسا نہیں تھا۔" وہ طنزیہ بولیں۔

"اللہ رکھے اس کے بھائی سارے یورپ میں بیٹھے ہیں۔ بہن دبئی میں ہوتی ہے۔ چند مہینے پہلے تو سب یہاں سے اتنا خرچا کر کے گئے ہیں۔ اتنی جلدی کہاں سے آ جائیں پھر فون پہ تو روز بات ہوتی ہے۔" اماں نے رسان سے جواب دیا تو انزلہ نے تشکر بھری نگاہ اماں کے شفیق چہرے پہ ڈالی تھی۔

اس کے دل میں جہاں ساس کی قدر و منزلت کچھ بڑھی تھی وہیں تائی کے چند الفاظ نے اس کا دل عجیب سے شکنجے میں پھنسا دیا تھا۔ وہ اپنے دل سے یہ بات نکال ہی نہ سکی۔

"زعیم نے تو دل اٹکا رکھا تھا بیاہتا لڑکی میں...... تبھی تو شہر سے لڑکی لانے کے لیے مان نہیں رہا تھا۔" یہ الفاظ نہیں تھے، نوکیلے بھالے تھے جو ساری رات انزلہ کے دل کو فگار کرتے رہے۔

☆☆☆

اور زعیم اپنے جانے کے ساتویں مہینے بھی نہ آیا۔

انزلہ کو تو یقین ہی نہیں آتا تھا۔ زعیم "ہٹ" کا اتنا پکا ہے۔ دوسرے معنوں میں اتنا ہٹ دھرم ہے۔ ان کی پہلی جھڑپ تب ہوئی تھی۔ جب وہ اسے اپنے آنے کی اطلاع دے رہا تھا تب انزلہ نے جھٹ سے بغیر سوچے سمجھے اس کے سر پہ بم گرایا۔

"مجھے بھی آپ کا انتظار ہے۔ ایک ایک دن گن کر گزار رہی ہوں۔ آپ آئیں اور مجھے بھی ساتھ لے جائیں۔ میرا دل نہیں لگتا یہاں...... کوئی ایکٹویٹی نہیں۔" انزلہ کے الفاظ نے زعیم کو ہکا بکا کر دیا تھا۔ پھر اس نے اپنے امڈتے غصے کو بمشکل قابو کیا۔

"میں نے تمہیں بتایا تو تھا انزلہ...... ابھی ممکن نہیں۔ کم از کم میثم کی شادی تک...... ابا جی اور اماں اکیلے ہو جائیں گے۔"

"ابا جی اور اماں صرف ہماری ذمہ داری نہیں ہیں زعیم! ان کے باقی بیٹوں کا بھی کچھ فرض ہے۔ وہ سب تو مزے سے عیش کر رہے ہیں۔ مجھے پھنسا کر۔" انزلہ اپنا غصہ قابو نہیں کر سکتی تھی۔

"بے صبری کیوں بنتی ہو تھوڑا سا انتظار کر لو...... میں گھر کے لیے بھی اپلائی کر دوں گا۔" زعیم نے پھر بھی تحمل کا مظاہرہ کیا تھا۔

"گھر نہیں ملتا نہ ملے۔ آپ رینٹ پہ لے لیں۔ مجھے یہاں نہیں رہنا، میں تنگ آ چکی ہوں۔" اس نے رونا شروع کر دیا تو زعیم اور بھی گھبرا گیا۔

"آخر تمہیں تکلیف کیا ہے؟ کسی نے کچھ کہا ہے؟" وہ سخت پریشان تھا۔

"کسی نے کچھ نہیں کہا، میں گاؤں میں نہیں رہ سکتی۔" انزلہ غصے میں تڑخ اٹھی تھی۔

"یہ تو کوئی بات نہیں...... انزلہ! انسان میں لچک ہونی چاہیے، ہر ماحول میں ڈھلنے کی صلاحیت ہونی چاہیے۔ وہ ملائمت سے اسے سمجھاتا رہا۔

"جو کہ مجھ میں نہیں ہیں، سوری۔" وہ زہر خند تھی۔

اس نے اسے ہر طریقے سے سمجھایا تھا کہ اتنی جلدی وہ اسے اپنے ساتھ نہیں لاسکتا۔ لیکن اس پہ کسی بات کا اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ ابھی تک اپنی ضد پہ قائم تھی۔ تب ہی زعیم نے بھی اپنا فیصلہ سنا دیا۔

''ٹھیک ہے۔ میں بھی تب ہی آؤں گا جب تم اپنی ضد چھوڑ دو گی۔'' زعیم نے ایسے ہی ''بڑھک'' نہیں ماری تھی...... بلکہ اس نے اپنے عمل سے ثابت بھی کر دیا تھا۔

☆☆☆

زعیم واقعی گھر نہیں آیا۔ اتنا لمبا عرصہ کبھی وہ گھر سے دور نہیں رہا تھا۔ پہلی مرتبہ ایسا ہوا تھا۔ اماں اور ابا جی تک اداس ہو گئے تھے۔ اس دوران میثم، نقشم، سائم اور علیم عظیم، وغیرہ کے چکر لگتے رہے تھے۔ اس نے سب کو کسی کورس کا کہہ کے مطمئن کر رکھا تھا۔ تب ہی کوئی بھی سوال نہیں اٹھاتا تھا۔ البتہ صدف ضرور کھٹک رہی تھی۔ اس ویک اینڈ پہ سب لوگ اکٹھے ہوئے تھے۔ صرف زعیم نہیں تھا۔ حتیٰ کہ آپا بھی آ گئیں۔ یوں گھر میں دعوت کا سا سماں بندھ گیا۔

رات کو سب نے ''باجماعت'' زعیم کو کال کی تھی۔ ہر کسی نے زعیم سے بات کی۔ ایک بات تو سچ تھی۔ اس گھر کا ہر فرد دوسرے سے جڑا ہوا تھا۔ وہ سب زعیم کی کمی محسوس کر رہے تھے۔ اور کمی تو انزلہ بھی محسوس کرتی تھی۔ بس اپنے غصے اور انا میں ظاہر نہیں ہونے دیتی تھی۔

''تو ادھر فوج کی دال اُڑا۔ ہم تو اپنی انزلہ بھابھی کے ہاتھ کا بنا پاستا کھا رہے ہیں۔'' بڑوں سے ہوتا ہوا فون میثم کے ہاتھ میں گیا تو اس نے کہا۔

''ایک ہماری دیسی بھابھی ہے۔ ایک ہماری دیسی پلس بدیسی کا فارمولا بھابھی ہے اور ایک پکی انگریز بھابھی ہے۔'' میثم نے اپنے ہی انداز میں نازو بھابھی اور صدف کی تعریف کے بعد انزلہ کی شان میں قصیدہ پڑھا تھا۔ اس کی بات پہ ایک ــــ قہقہہ پڑا۔

''تیرے لیے امریکی لے آئیں گے۔ تو دل نہ چھوٹا کر۔'' زعیم نے اسے جان کر چھیڑا...... اسپیکر آن تھا۔ سب ہی لطف اندوز ہو رہے تھے۔

''میں تو انزلہ بھابھی کے ہاتھ کے بنے چائنیز اور اٹالین فوڈز کا فین ہو چکا ہوں۔ اب تو دیسی فوڈ میں ٹیسٹ نہیں آتا...... ویک اینڈ پہ گھر بھاگنے کی کرتا ہوں۔'' میثم خوب لمبی لمبی چھوڑ رہا تھا۔ زعیم نے اس کی بات کو آگے بڑھایا۔

''بس کر...... وڈا انگریز نہ بن...... اپنے پاکستانی معدے پہ اتنا بوجھ نہ ڈال۔ یہ نہ ہو تیری عیادت کرنے مجھے کھاریاں سے منڈی بہاؤالدین آنا پڑے۔'' زعیم کے جواب پہ صدف اور نقشم ہنس ہنس کر بے حال ہو گئے تھے۔ میثم اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔

سب نے دل بھر کے زعیم سے باتیں کر لی تھیں تب ہی میثم اور علیم کو خیال آیا تو موبائل چپ بیٹھی انزلہ کی طرف بڑھا دیا۔ وہ جو چائے کے خالی برتن دھونے جا رہی تھی۔ لمحہ بھر کے لیے رک گئی۔ وہ جس طرح اس ماحول سے کٹی ہوئی تھی۔ ایک دم سب کی نگاہوں میں آ کر خفیف ہو گئی۔

''چل اب اپنی زوجہ محترمہ سے دو چار رومینٹک ڈائیلاگ بول لے۔ کچھ تیری طبیعت اچھی ہو جائے گی۔'' میثم نے اونچی آواز میں زعیم سے کہا تھا۔

''میری طبیعت ویسے ہی بڑی اچھی ہے اللہ کے فضل سے۔ مزید اچھی کرنے کی ضرورت نہیں۔''

اچانک ہی زعیم نے تڑخ کر جواب دیا تھا۔ تو جہاں انزلہ مارے اہانت کے لب بھینچ گئی تھی وہیں پورے ماحول پہ لمحہ بھر کے لیے سناٹا چھا گیا تھا۔ ایک دم طاری ہونے والا سکوت زعیم کو بھی کھٹک گیا تھا۔ اسے فوراً ہی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ تب ہی اس نے لہجہ بشاش بنا کر کہا۔

''جن کے تصور سے طبیعت سر سبز ہو۔ ان سے بات کر کے ''باغ و بہار'' ہونے میں کچھ حرج نہیں۔'' زعیم نے اگلے ہی پل اپنے کرخت الفاظ کا تاثر مٹا دیا تھا۔

یوں موبائل انزلہ کے ہاتھ میں آیا تو وہ شائستگی سے ''ایکسکیوزمی'' کرتی باہر نکل گئی تھی۔

اس نے کچن میں آ کر ٹرے شیلف پہ رکھی۔ دروازہ ہاتھ سے بند کیا اور چولہے کے پاس آ گئی۔ انگیٹھی میں کوئلے دہک رہے تھے۔ اور اس کا دل بھی ان کوئلوں کی طرح دہک رہا تھا۔

باہر جنوری کی ٹھنڈ عروج پہ تھی...... انزلہ کا دل غم و غصے سے بھرا ہوا تھا۔

''کچھ دماغ سے خناس نکلا۔'' زعیم کا لہجہ پہلے سے کچھ نرم تھا۔

''آپ کی بلا سے۔'' وہ تڑخ کر بولی تھی۔

''میری بلا، میرے عذاب! مجھے خودکشی پہ مجبور مت کرو۔'' وہ جیسے دہائی دے رہا تھا۔ انزلہ کا رواں رواں سلگ اٹھا۔

''میری زندگی جہنم بنا کے خود مرنے کی باتیں کرتے ہیں۔'' وہ جیسے حلق کے بل چیخی تھی۔

''آہستہ چیخو...... اور یہ تم کس لہجے میں بات کرتی ہو۔ جب میں نے تمہیں ایک بات سمجھا دی ہے تو تم کیوں نہیں سمجھتیں۔ بکواس تو کی ہے کہ تمہیں جلدی بلوا لوں گا۔'' زعیم بھی غصے میں پھنکارا تھا۔ اس کا تلخ لہجہ انزلہ کے دل پہ پہاڑ بن کر ٹوٹا۔

وہ اس کے ماں باپ کی نوکر تھی جو ادھر رہتی۔ پہلے اس کی ساتھ جانے کی ضد تھی۔ لیکن اب غم و غصے اور نفرت کا انداز بدل گیا تھا۔ وہ اب قیامت تک بھی زعیم کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی تھی اور نہ ساتھ جانا چاہتی تھی۔ اس نے آخری فیصلہ کر لیا تھا۔ بس ادیبہ سے ایک مرتبہ مشورہ کرنا باقی تھا۔ اگر آج ہی بات ہو جاتی تو پھر...... اسے نہ زعیم کے ساتھ جانا تھا۔ نہ اس گھر میں رہنا تھا اور نہ ہی میکے میں رہنے کا کوئی جواز تھا۔

اسے رہ رہ کر اپنی توہین یاد آتی تھی اور دل خون کے آنسو روتا تھا۔

بس بہت ہو چکا تھا۔ اب مزید اس میں کچھ بھی سہنے کا یارا نہ تھا۔

''مجھے آپ کے ساتھ نہیں جانا...... نہ کل نہ آج نہ کبھی۔'' بالآخر اس نے ٹھنڈے لہجے میں اپنا فیصلہ سنا دیا تھا۔ تب پہلی دفعہ تو زعیم سمجھ ہی نہ سکا۔ وہ بے ساختہ خوشی سے چلایا تھا...... اور اس نے ایک نعرہ مستانہ بلند کیا۔

''یا ہو...... تو پھر میں ابھی آیا۔ پہلی کوچ میں بیٹھا اور صبح تک تمہارے پاس۔'' زعیم کی آواز میں اتنی کھنک تھی کہ انزلہ نے گھبرا کر موبائل پھینک دیا اور پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

آخر اس کے ساتھ ہو کیا رہا تھا۔

☆☆☆

''کیا واقعی......؟'' ادیبہ جیسے سنتے ہی چیخ پڑی۔

''وہ اپنی میرڈ کزن میں ابھی تک انوالوڈ ہے۔ کیسا کمینہ آدمی ہے۔ لعنت بھیجو ایسے بے غیرت شخص پہ۔'' ادیبہ کا مارے غصے کے برا حال ہو گیا تھا۔ اور یہی انزلہ کا بھی حال تھا۔

زعیم کا فون بند کرتے ہی اس نے ادیبہ کو کال ملائی تھی۔ ادیبہ نے بھی پہلی فرصت میں ہی فون اٹھا لیا۔ اور اب زار زار روتی انزلہ کو چپ کرواتے ہوئے وہ خود غم و غصے سے بے حال تھی۔ انزلہ نے روتے روتے تصحیح کرنا ضروری سمجھا تھا۔

''ابھی تک کا تو نہیں پتا...... لیکن پہلے ضرور تھا۔''

''یعنی اب تو نہیں نا......'' ادیبہ کو کچھ تسلی ہوئی تھی۔ ''ویسے تمہیں ''شک'' کیسے ہوا؟ فون یا میسج کرتے پکڑا گیا ہے؟'' ادیبہ نے قیاس کے گھوڑے دوڑائے تو انزلہ نے بیچ میں ہی اسے روک دیا تھا۔

''نہیں...... مجھے کسی اور سے پتا چلا ہے۔ اب میں اس فراڈیے کے ساتھ ہرگز نہیں جاؤں گی۔ بلکہ اس گھر میں بھی نہیں رہوں گی۔'' وہ اسے اپنے فیصلے سے آگاہ کر رہی تھی۔ ادیبہ کچھ گھبرا گئی۔

''نہ...... نہ میری پیاری! اتنی جلدی فیصلہ نہ کرو۔ تم کہاں جاؤ گی۔ بھائی سب تمہارے پردیس

میں ہیں۔ماں بھی نہیں ۔ادھر تم ابھی ٹھنڈے دل سے سوچو۔'' ادیبہ نے اسے سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔انزلہ سوں سوں کرتی بس روتی رہی۔

''دیکھو، جذباتی مت بنو۔ پہلے کوئی ثبوت تو ڈھونڈو۔کوئی فون پکڑو، کوئی میسج دیکھو۔ ایسے کس طرح سب کچھ چھوڑ کر بھاگ رہی ہو۔ اپنے گھر والوں کی نظر میں تم ہی بری بنوگی۔سب ہی کہیں گے تمہارا دل نہیں تھا تب ہی گھر نہیں بسایا۔ ارے جو مجرم ہے اسے ثبوتوں کے ساتھ پکڑ کر اس کے ماں باپ سامنے پیش کرو، اسے جوتے لگواؤ۔حد ہے یار! تم تو میدان چھوڑ کر بھاگ رہی ہو۔'' ادیبہ نے اسے نئی راہ دکھائی تو انزلہ کی سمجھ میں آیا کہ۔آخر وہ کیوں بری بنے اپنے سب گھر والوں کے سامنے۔

اب اسے زعیم کا انتظار تھا۔ تاکہ اس کے سامنے دو ٹوک ہر بات صاف ہو جاتی۔اس کے ابا جی، اماں اور آپا کے سامنے ساری شرافت کا پول کھل جاتا۔

☆☆☆

زعیم کو چھٹی نہ مل سکی۔وہ اگلے کئی ہفتے تک کے لیے مصروف ہو گیا۔زعیم سے البتہ فون پہ بات بھی محدود ہو گئی تھی۔اس کا انتظار تو دور کی بات تھی۔

اور وہ جو اسے چھوڑ دینے کے بڑے بڑے دعوے کرتی تھی۔اندر ہی اندر ٹوٹتی رہی۔

انزلہ کے اندر، باہر سناٹوں کے بسیرے تھے تو گھر کی فضا بھی مکدر۔

اماں بےزار تھیں اور ابا جی متفکر۔

بہو بیگم پورے گھر سے بے نیاز تھیں......نہ کسی آئے کی فکر نہ کسی گئے کا غم تھا۔گھر کا چولہا ٹھنڈا پڑ گیا۔ اور تین وقت کھانے کے لیے آپا کی خدمات لی جاتی تھیں۔اگر آپا کا سسرال قریب نہ ہوتا .... تو اس سے آگے انزلہ نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔

وہ سارا دن بولائی بولائی پھرتی تھی۔کبھی چھت پہ، کبھی صحن میں......کبھی کمرہ بند کیے پڑی رہتی۔

پورا گھر تلپٹ پڑا تھا۔ ہر چیز اوندھی، گندی اور دھول سے اٹی ہوئی۔

آپا تین وقت کا کھانا بھیج دیتی تھیں۔بس یہی غنیمت تھا۔

فاریہ اماں اور ابا جی کو وقت پہ چائے بنا دیتی۔ دوائی دے دیتی۔اماں جی کے گھٹنوں میں مالش کر دیتی۔وہ چھوٹی تھی۔بس اتنا ہی کر سکتی تھی۔

کام والی نے کوئی اور گھر ڈھونڈ لیا تھا۔وہ آتی ہی نہیں تھی......یوں ہر چیز پہ وحشت برس رہی تھی سمیت انزلہ کے۔

دیوار سے کبھی کبھار تائی سر نکال کر اماں پہ گولہ باری ضرور فرماتیں۔

''ارے...... اپنی بہو تو دیکھ ......جانے کس کے سوگ میں ہے۔گھر کو جنگل بنا دیا...... کیا یہی لشکارے مارتا تمہارا گھر تھا۔'' تائی کے چمک کر بولنے پہ انزلہ شرمسار ہو گئی تھی اور اماں بیزار۔ پہلی مرتبہ اماں نے انزلہ کی تائی کے سامنے حمایت نہیں کی تھی۔انزلہ کے دل میں کچھ بہت زور کا لگا تھا۔

اسے اماں برہم برہم نظر آتی تھیں۔لبوں سے کچھ نہیں کہتی تھیں تاہم ان کا گپ چپ رویہ اسے ہولائے دیتا تھا۔وہ اسے چپ چاپ شرمسار کرتی تھیں۔

''زعیم آتا ہے تو اس کے ساتھ بھیج دوں گی۔ خود بخود ٹھیک ہو جائے گی۔شوہر کے بنا کملا رہی ہے۔'' انہوں نے اپنے تجربے کی روشنی میں تجزیہ کیا تھا۔جو ایک لحاظ سے ٹھیک ہی تھا۔

ان دنوں فاریہ بے چاری گھن چکر بنی ہوئی تھی۔کیونکہ آپا کسی فوتگی میں شرکت کرنے گئی تھیں۔ اور ان کے گھر کا چولہا بھی بند ہو چکا تھا۔

فاریہ کھانا نہیں پکا سکتی تھی۔لیکن پھر بھی بے چاری بھابھی کو ٹھس پڑا دیکھ کر کچن میں آ گئی۔سالن بنانے کے لیے آگ جلاتے ہوئے فاریہ کا بازو جل گیا تو اس کی چیخوں نے پورے گھر میں حشر برپا کر دیا۔وہ تکلیف کی شدت سے روتی رہی۔برابر والے گھر سے تائی بھی پہنچ گئیں۔فاریہ کا بازو دیکھ کر انہیں

باتیں سنانے کا موقع مل گیا تھا۔

''اے بہو! بچی بے چاری کو ''ساڑنے'' کے لیے کچن میں بھیجا تھا۔ذرا شرم نہ آئی، سارا وقت بستر توڑنے کے سوا تمہیں کوئی کام نہیں ......اور لاؤ باہر سے بہویں ......دیکھ لیا، نا تم نے۔'' انزلہ کے لتے لیتے لیتے اب وہ اماں پہ چڑھ دوڑی تھیں۔

''اس لڑکی کو سوائے آرام کرنے کے کوئی کام نہیں ......یا فون کان سے لگائے باتیں بگھارتی ہے۔ایسی نکمی اور ہڈ حرام......ساس بیمار، نند کم سن بچی ......سسر بے چارا گپ چپ ......اس میں ذرا حیا نہیں۔''

تائی کی چلتی زبان پھر رکی نہیں تھی...... یہاں تک کہ نقشم اور میثم اچانک آ گئے تھے۔

گھر کی حالت دیکھ کر چکر کیا کھاتے، آتے ساتھ ہی فاریہ کی پڑ گئی۔ اسے ڈاکٹر کے پاس لے کر بھاگے تھے۔واپس آ کر حالات اور گھر کا جائزہ لیا تو دنگ رہ گئے۔

اماں بیٹوں کی آمد پہ گرتی پڑتی کچن میں گئیں تو میثم ان کے پیچھے بھاگا تھا۔

''اماں! اپنے کمرے میں چلیں، میں کر لیتا ہوں۔'' اماں کو اپنے کمرے میں بھیج کر وہ دونوں بھائی جُت گئے تھے۔پھر صائم بھی آ گیا۔

ان تینوں نے اگلے پانچ گھنٹوں میں گھر کا کچھ نہ کچھ نقشہ بدل دیا تھا۔

صائم نے پائپ لگا کر سارا گھر دھو ڈالا تھا اور نقشم نے وائپر لگا دیا۔ پھر میثم مشین لگا کر کپڑوں کا گٹھڑ اٹھا لایا۔شاید مہینے بھر کے کپڑے تھے۔کام والی جب سے گئی تھی لگتا تھا کپڑوں کو کسی نے ہاتھ نہیں لگایا۔میثم نے اپنے اور نقشم کے بھی ان دھلے کپڑے نکال کر دھوئے۔ ایک کپڑے کھنگال رہا تھا۔ دوسرا ڈرائیر میں ڈال رہا تھا اور تیسرا الگنی پہ پھیلا رہا تھا۔

کپڑے دھوتے ہوئے نانی اور دادی تک یاد آ گئیں۔بڑے عرصے بعد ایک مرتبہ پھر گھر کا کام کیا تھا۔اب تھکاوٹ ہو رہی تھی۔لیکن باورچی خانہ توجہ کا طالب تھا ابھی۔

مشین کا پھیلاوا سمٹ گیا تو نقشم نے سبزی بنائی۔ صائم نے نوڈلز تیار کیے۔تینوں نے صبر شکر کے ساتھ نوڈلز کھائے تو دل اور معدے کو کچھ سہارا ہوا۔

پھر میثم ہانڈی پکاتا رہا...... نقشم برتن دھوتا رہا......ہانڈی پک گئی تو صائم تندور سے روٹی لے آیا۔جب تک ابا جی گھر آئے، پورا گھر چمک رہا تھا۔

ان کا دل بڑا خوش ہوا...... چہرے پہ رونق سی آ گئی تھی۔

''انزلہ بیٹی کا مزاج اچھا ہو گیا؟''

وہ بے انتہا خوش تھے......انہیں پتا نہیں تھا کہ انزلہ کیوں کٹ کھنی بلی بنی ہوئی ہے پھر بھی اتنا تو پتا تھا کہ بہو کا مزاج برہم ہے تب ہی گھر کی طرف دیکھتی نہیں، باہر نکلتی نہیں، کسی کام میں دلچسپی نہیں لیتی۔پر صائم نے ابا جی کی خوشی کو ملیامیٹ کر ڈالا۔

''مامی کی طبیعت ابھی تک ناساز ہے......اب ہمارے ماموں آئیں گے تو ناساز طبع کو بحال کریں گے۔ یہ کیا دھرا تو ہمارا ہے۔ چلو، مامی کا ٹیگ لگ گیا۔''

''اچھا بکو نہیں۔'' میثم نے اسے ڈانٹا تو وہ منہ بسور کر رہ گیا تھا۔ابا جی جانے کچھ سمجھے تھے یا نہیں، محض ہنکارا بھر کے کمرے میں چلے گئے تھے۔نقشم نے اماں اور ابا جی کو کھانا دیا تھا۔پھر فاریہ کو بھی دلیہ کھلایا۔اسے بخار ہو گیا تھا۔

☆☆☆

ویک اینڈ ختم ہوا تو میثم، نقشم اور صائم بھی چلے گئے تھے۔

آپا آ تو گئی تھیں لیکن بیمار پڑ گئی تھیں۔موسم بدلا تو سب ہی پہ اثر انداز ہو گیا۔اماں بیمار۔ابا جی کی طبیعت ناساز۔فاریہ کو کھانسی زکام......اور ایک مرتبہ پھر لاتعداد کام۔

اس دفعہ انزلہ رکھائی نہیں دکھا سکی تھی۔گو کہ دل تو نہیں کرتا تھا مگر مارے باندھے کرتی رہی۔اماں کی بیماری بھی طویل ہو گئی تھی۔ابا جی بھی ٹھیک نہیں تھے۔

ان کی بیماری میں انزلہ کا بھرکس بن گیا تھا۔ لیکن مجبوری تھی......اماں گو کہ کچھ نہیں کہتی تھیں تاہم تائی کے طعنوں سے خائف ہو کر انزلہ کو مارے باندھے گھر کو صاف رکھنا پڑتا تھا۔ پھر مہمان بھی آتے جاتے تھے۔ انزلہ اگلے چند دنوں تک بمشکل برداشت کر سکی۔

آخر وہ نوکرانی تھی یہاں کی جو ڈھور ڈنگروں کی طرح جتی رہتی۔ بغیر کسی ستائش کے بغیر کسی تمغے کے اور وہ کس لیے یہاں کنیزوں کی طرح زعیم کے والدین کی خدمتیں کرتی پھر رہی تھی۔ جب سوچ نے پلٹا کھایا تو ایک مرتبہ پھر انزلہ پہ "بے حسی" کی چادر طاری ہو گئی تھی۔

اس زعیم کی خاطر جو اس کا تھا ہی نہیں......اس کے ساتھ مخلص ہی نہیں تھا، دل اس مقام پہ کٹ کٹ جاتا تھا۔ رہ رہ کر تائی کی باتیں یاد آتی تھیں۔

"زعیم اپنی بیاہتا کزن کے ساتھ......"

انزلہ کا جیسے خون کھول اٹھتا تھا۔ پھر زعیم کا گریز اور شادی پہ خفا رویہ یاد آتا۔ وہ کتنا بیزار اور اکھڑا اکھڑا تھا۔ اسی لیے نا......کہ اس کی شادی پسند سے نہیں ہوئی تھی۔ اسی دکھ کی تشہیر کرتا پھر رہا تھا روتی شکل بنا کر۔ اب جب ساری حقیقتیں کھل چکی تھیں تو انزلہ بھلا انتظار کیوں کرتی۔

پھر اسی شام اچانک زعیم چلا آیا تھا۔ آف موڈ کے ساتھ۔ جیسے اسے انزلہ کے "روکھے" رویے کی اطلاع مل چکی تھی۔ کچھ اس نے خود بھی آ کر دیکھ لیا تھا۔

انزلہ مارے باندھے بمشکل کام نمٹا رہی تھی۔ زعیم اماں کے کمرے میں گھس گیا۔ جانے کب تک میٹنگ چلتی رہی۔ انزلہ کو غصہ آتا رہا۔

آج اس نے آر یا پار کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اللہ اللہ کر کے تو زعیم گھر آیا تھا۔ انزلہ غصے میں برتن اٹھا اٹھا کر ٹوکری میں پٹختی رہی۔ معاً زعیم بھی کچن میں آ گیا۔ پہلے کی نسبت اب موڈ کچھ بہتر تھا۔ یقیناً اماں کے کمرے میں آپا سے ملاقات ہوئی تھی۔

اور آپا نے اسے سمجھا بجھا کر بھیجا تھا۔ آپا ایسی ہی تھیں۔ ٹھنڈے مزاج کی......سب کے لیے مخلص۔

"ایسی لاتعلقی حد ہے، یار بندہ آٹھ ماہ بعد گھر آئے تو ایسے استقبال کرتی ہیں بیویاں۔" وہ اس کے قریب چلا آیا تھا۔ انزلہ نے مڑ کر دیکھا نہیں۔ وہ ہونٹ بھینچے اپنا کام کرتی رہی۔

"مسئلہ کیا ہے تمہارے ساتھ، سب کے ساتھ اتنی اکھڑی اکھڑی کیوں ہو؟" اس کے لہجے میں ملائمت تھی۔ نرمی تھی وہ ایک ٹک انزلہ کے سرخ برہم چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اس سے اتنی ناراض تھی، محض اتنی سی بات پہ اب وہ اس کی ناراضگی ہی تو دور کرنے آیا تھا۔ اماں اور آپا کے مجبور کرنے پہ ان کی ایک ہی رٹ تھی۔ "انزلہ کو آ کے لے جاؤ۔"

اور وہ چڑ کر جواب دیتا تھا۔ "کہاں لے جاؤں گھر تو ملے۔"

اب چونکہ گھر کا انتظام ہو چکا تھا اس لیے وہ انزلہ کو لینے بھی آ گیا تھا۔ وہ اماں اور آپا کی کوئی بات نہیں ٹالتا تھا۔ پھر ویسے بھی اسی انزلہ کو ساتھ تو لانا ہی تھا۔ سو اب ہی کیوں نہیں۔

پھر جب زعیم نے اسے گھر مل جانے کی خوشخبری سنائی تو انزلہ کا جواب سن کر لمحہ بھر کے لیے تو وہ بول ہی نہیں سکا تھا۔

"مجھے نہیں جانا کہیں اور نہ ادھر ہی رہنا ہے۔" اس کا لہجہ دوٹوک، غصے میں کھولتا ہوا تھا۔ زعیم حق دق رہ گیا۔ ایسے جواب کی تو اسے امید ہی نہیں تھی۔

"تو پھر کہاں جانا ہے۔" زعیم کو نرمی کا دامن پھر سے پکڑنا پڑا جوابا اسے بھی بھڑکانا نہیں چاہتا تھا۔ پھر ویسے بھی انزلہ ناراض تھی۔ اسے اتنے مہینوں بعد دیکھ کر وہ غصہ کرنے میں حق بجانب تھی۔ لیکن صفائی کا موقع بھی تو نہیں دے رہی تھی۔

"جہاں بھی جاؤں، آپ سے مطلب۔" وہ تڑخ کر گویا ہوئی تھی۔ زعیم اسے دیکھتا رہا۔ دیکھتا رہا۔ جیسے اس کی ناراضی کا اصل سبب کھوجنا چاہتا ہو۔ وہ محض اس بات پہ ناراض نہیں تھی کہ وہ ضد لگا کر

کھاریاں بیٹھا رہا تھا بلکہ شاید کوئی اور بات بھی تھی۔ وہ بات بھلا کیا تھی۔

☆☆☆

انزلہ برتن دھوتی رہی جب زعیم نے غصے میں آ کر نل بند کر دیا۔

"میں کیا دیواروں سے باتیں کر رہا ہوں۔" وہ غصے میں دہاڑا۔ پھر اس نے انزلہ کو بازو سے پکڑ کر کھینچا اور سیدھا اپنے کمرے میں لے آیا تھا۔ انزلہ اس حملے کے لیے تیار نہیں تھی۔ ایک دم سنبھل کے چیخ پڑی۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟" اس کا لہجہ تلخ اور آواز بلند تھی۔

"مجھے ایسے لہجے کی عادت نہیں......آواز نیچی رکھو۔" زعیم کو تڑختے ہوئے کہنا ہی پڑا تھا۔ پھر اس نے اپنے برہم لہجے پہ قابو پا لیا۔ وہ بات بڑھانا نہیں چاہتا تھا۔ اس لیے دوبارہ نرمی سے بولا۔

"تم ایک دو دن میں تیاری کر لو۔ پھر چلیں گے۔ تمہارا شکوہ بھی دور کر دیا۔ اور جہاں تک اتنے مہینے گھر نہ آنے کا سوال تھا تو میں واقعی کورس پہ چلا گیا تھا۔ تب ہی رابطہ نہیں کر سکا۔"

"میں نے کوئی وضاحت نہیں مانگی۔"

"مگر مجھے تو وضاحت کرنا ہے۔ آخر تمہارا موڈ بھی تو ٹھیک کرنا ہے۔ دیکھو، اتنے مہینوں بعد آیا ہوں۔ کوئی خدمت نہیں۔ کوئی لفٹ ہی نہیں۔"

اس نے نرمی سے انزلہ کا منہ ہاتھوں کے پیالے میں تھام لیا۔ پھر اس نے تھوڑی سی شرارت کی تو انزلہ نے مارے جھلاہٹ کے کھولتے ہوئے اس کے ہاتھ جھٹک دیے تھے۔ وہ اس کے اتنے جارحانہ ردعمل پہ ششدر رہ گیا تھا۔

پھر اس کی آنکھوں میں ناگواری اور غصہ در آیا۔ وہ جتنی نرمی دکھا رہا تھا، وہ اتنا ہی سر پر چڑھ رہی تھی۔

"میرے ساتھ یہ ڈرامے کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں جان گئی ہوں آپ کی اصلیت۔"

"کیا ہے میری اصلیت ذرا روشنی ڈالو گی؟ کچھ وضاحت کرو گی۔" اس نے بڑے ہی تحمل کا مظاہرہ کیا تھا۔ لیکن اگلی بات پہ اس کا تحمل، صبر اور ضبط کا پیمانہ چھلک پڑا تھا۔ وہ صرف دھاڑا ہی نہیں تھا بلکہ اس کا ہاتھ بھی اٹھ گیا۔

"اپنی اس شادی شدہ کزن کے ساتھ ابھی تک چکر چلا رکھا ہے۔ جو آپا کی نند ہے، تائی کی بہو......آپ کی پھوپھی زاد ادی......" انزلہ کے باقی الفاظ اس کے منہ میں دبے رہ گئے تھے۔ زعیم کا ہاتھ اٹھا تو وہ چکرا کر بیڈ پہ اوندھی گری تھی۔ یوں لگا تھا جیسے آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا ہے۔

اور اس کے سر پہ کھڑا زعیم چلا رہا تھا۔

"تم بے ہودہ اور بے شرم عورت تم میں ذرا حیا نہیں......مجھ پہ الزام لگاتی ہو......وہ بھی میری بہنوں جیسی کزن کے حوالے سے......میں تمہارا منہ توڑ دوں گا۔ کس قدر نیچ سوچ ہے۔ تمہاری شرم آ رہی ہے مجھے کاش یہ تھپڑ میں تمہیں اس رات سب کے سامنے مارتا، جب تم نے میرے اتنے معزز بھائی کو بھری محفل میں شرمندہ کیا تھا۔ میری نرمی کا نتیجہ ہے کہ آج تم میرے کردار تک بھی پہنچ گئیں۔" وہ اٹھا اور تن فن کرتا باہر نکل گیا۔

☆☆☆

زعیم نے اپنی پوری زندگی میں ایسی ڈھٹائی نہیں دیکھی تھی۔ پورے تین دن ہو چکے تھے۔ انزلہ نے اس سے کلام نہیں کیا تھا۔ نہ ایک حرف معذرت لبوں سے ادا کیا۔

اس دن جب انزلہ اور زعیم کی لڑائی ہو رہی تھی تب تائی شور کی آواز سن کر دیوار سے چپک گئی تھیں۔ لیکن سمجھ میں کچھ نہ آیا تو اسٹول لے آئیں۔ تھوڑا سر اونچا کر کے صحن کا جائزہ لیا تو اسی چکر میں پیر رپٹ گیا اور تائی کی ٹانگ بری طرح سے گرنے کے باعث فریکچر ہو گئی تھی۔

تائی کے "ایکسی ڈنٹ" پہ ہی انزلہ کی زندگی میں فلمی موڑ چلا آیا۔

تائی کی دونوں بہوویں اپنے اپنے شوہروں کے ہمراہ گزشتہ ساری ناراضی کو بھلا کر اپنی ساس صاحبہ کی عیادت اور خدمت کے لیے حاضر ہوگئی تھیں۔

وہ آپا، اماں اور زعیم کے ہمراہ تائی کی مزاج پرسی کے لیے ان کی شاندار کوٹھی میں گئی تو وہاں موجود ذرا فربہی مائل ہنستی کھلکھلاتی سی ادیبہ کو دیکھ کر انزلہ کو ہزار والٹ کا کرنٹ لگا تھا۔ کچھ یہی کیفیت ادیبہ کی بھی تھی۔

تعارف کا مرحلہ زعیم نے لاکھ ناراضی کے باوجود بھی نباہنا چاہا تو ادیبہ انزلہ سے گلے ملتے ہوئے ہاتھ اٹھا کر چیخی۔

''بس بس زعیم! کچھ مت بتاؤ...... ابھی مجھے اس شک سے سنبھلنے دو۔ یہ انزلہ ہے تمہاری بیوی یا میری کم عقل سی جذباتی سہیلی...... مجھے یقین نہیں آتا۔ دنیا اتنی چھوٹی ہے کیا اور مجھے پتا ہی نہیں چل سکا۔ انزلہ میرے اتنے قریب تھی۔'' دونوں یوں ملی تھیں جیسے برسوں کی بچھڑی بہنیں ہوں۔

پھر کدھر کی عیادت اور کہاں کی احوال پرسی۔

وہ دونوں خود میں ایسے گم ہوئی تھیں کہ دوپہر سے سہ پہر اور پھر رات تک ڈھل گئی۔ یہاں تک کہ زعیم انزلہ کو تیسری مرتبہ بلانے آیا تھا۔ لیکن ادیبہ اسے جانے نہیں دے رہی تھی۔

جب زعیم اسے لینے آیا تو اس نے ادیبہ کو گہرے الفاظ میں جتلایا بھی تھا۔

''بچ کر رہنا اس زہریلی خاتون سے، معاف کرنے والی نہیں۔ تمہیں تک نہیں بخشا یعنی اپنی سہیلی کو۔'' زعیم نے ادیبہ کو سارا قصہ سنا ڈالا تھا۔ انزلہ جو پہلے ہی شرمسار تھی۔ کچھ اور بھی شرمندہ ہوگئی۔

''تم اسے شرمندہ مت کرو۔ اس نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے بلکہ میں تو اس کی زندگی کے ہر گوشے سے واقف ہوں اور میں ابھی تک حیران ہوں۔ تقدیر، کیسے کیسے لوگوں کے کہاں کہاں ستارے ملا دیتی ہے۔''

ادیبہ کا لہجہ سنجیدہ تھا۔ انزلہ ان دونوں کو گفتگو کرتا ہوا چھوڑ کر گھر چلی آئی تھی۔ کیونکہ ادیبہ کے سامنے دل کا بوجھ تو ہلکا کر ہی لیا تھا۔ موبائل کے سہارے کی ضرورت نہیں تھی۔ اسے پہلی مرتبہ اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہو رہا تھا۔ اس نے گھر آ کر جلدی سے پہلی مرتبہ دل لگا کر سالن بنایا۔ روٹی بھی بنائی۔ اماں اور ابا کو کھانا بھی خود دیا پھر چائے بھی بنائی تھی۔ یہ کایا پلٹ کیوں ہوئی تھی۔ اب کچھ بھی ڈھکا چھپا نہیں تھا۔ سب عیاں ہو چکا تھا۔ جب وہ اس کام سے فارغ ہوئی تو زعیم بھی بیچ والی دیوار پھلانگ کر آ گیا۔

اب وہ صحن میں ٹہل ٹہل کر کسی کو فون کر رہا تھا۔ نجانے کس کو؟ انزلہ نے کان لگا کر سنا اور دھک سے رہ گئی تھی۔

وہ شاید نہیں یقیناً صدف سے مخاطب تھا۔

''سب کچھ ٹھیک چل رہا تھا پھر جانے کیا ہوا؟ دیکھ لوں گا سب کو۔ تیلی کس نے لگائی۔''

وہ غصے میں کھول رہا تھا۔ اور صدف اسے ٹھنڈا کر رہی تھی۔

انزلہ جیسے بے دم ہوگئی۔ کچن کے پردے کے پیچھے چھپ کر اس نے پوری بات سن لی تھی۔ آخر وہ کرے تو کیا کرے؟

جب پانی پلوں کے نیچے سے گزر گیا تھا۔ تب اسے اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا۔ لیکن سارا قصور تو تائی کا تھا۔ انہوں نے غلط بیانی کی تھی اور انزلہ کے دل میں شک کا بیج بویا تھا...... اب تائی سے کون باز پرس کرتا۔ وہ تو اچھی خاصی ٹوٹی ٹانگ کے ساتھ سزا جھیل رہی تھیں اور زعیم کو آپا نے بتا بھی دیا تھا پھر بھی زعیم کا غصہ۔

دوسری طرف انزلہ کو ادیبہ سے بھی شرم سارہی تھی۔ اس کی سہیلی کیا سوچتی ہوگی۔ وہ کیسے کیسے نازیبا الفاظ اس کے خلاف کہتی تھی۔

لیکن تب تک انزلہ بے خبر تھی۔ اور تائی کی جھوٹی باتوں پہ یقین رکھتی تھی۔ سچائی تو اب کھلی تھی

لیکن فائدہ کیا تھا بھلا۔

زعیم اس سے ناراض تھا۔ گھر آ کر بھی بات نہیں کی تھی۔ جب ادیبہ نے اسے بتا دیا تھا پھر بھی ناراضی تھی آخر کیوں؟ انزلہ کا دل سوکھے پتے کی طرح کانپتا تھا۔ تب ہی ادیبہ اس سے ملنے برابر گھر سے آ گئی۔

''مجھے تو ابھی تک یقین نہیں آ رہا، تم میری ہی فیملی کا حصہ بن چکی تھیں اور میں تمہیں اپنی ہی فیملی کے خلاف بھڑکاتی رہی۔ تم اپنی سسرال سے متنفر ہی اس طرح سے کرتی تھیں۔ دل چاہتا تھا تمہارے سسرالیوں کو آگ میں جھونک دوں۔ مجھے کیا پتا تھا۔ تم میرے چھوٹے ماموں کی بہو ہو۔ زعیم کی بیوی۔

ارے تم تو اتنی خوش نصیب لڑکی ہو۔ جسے اتنا اچھا گھرانہ ملا۔ زعیم جیسا شوہر ملا۔ اوف پاگل لڑکی! تم اپنے کیسے کیسے نقصان کرتی رہی ہو۔ چلو میں تمہیں بتاتی ہوں۔'' ادیبہ نے اس کا ہاتھ تھاما اور نرمی سے بتاتی چلی گئی۔

''دراصل میں ادیبہ امتیاز، اپنے خاندان کی پہلی یونی ورسٹی سے فارغ التحصیل، پڑھی لکھی لڑکی تھی۔ اماں کو میری اعلا تعلیم پر بڑا مان تھا۔ وہ مجھے کسی پڑھے لکھے لڑکے سے بیاہنا چاہتی تھیں۔ یوں ان کی پہلی نظر چھوٹے ماموں کے گھرانے پہ تھی۔ اماں نے بڑی کوشش کی' بڑا ہی زور لگایا، میری شادی عظیم، علیم یا پھر زعیم سے ہو جائے...... عظیم بھائی تو مجھ سے بڑے تھے بہت۔ تاہم علیم، زعیم سے جوڑ بنتا تھا۔ لیکن ہوا یوں کہ مامی کو علیم کے لیے صدف بھا گئی۔ انہوں نے بڑے شہر سے بڑے گھر کی لڑکی کو دلہن بنا کر اپنا گھر سجا لیا۔

اماں کو شدید صدمہ پہنچا۔ انہوں نے اپنا غصہ رومانہ بھابھی پہ نکالا تھا۔ وہ انہیں بڑا ہی ٹارچر کرتی تھیں۔ لیکن جلد ہی اماں اسے بھول کر زعیم کے پیچھے پڑ گئیں...... اب وہ زعیم سے میری شادی کے لیے رومانہ بھابھی پہ دباؤ ڈالتی رہیں۔ اماں نے ویسے بھی رومانہ بھابھی کو کبھی سکون کا سانس لینے نہیں دیا

تھا۔ یوں رومانہ بھابھی اور میرے ماموں بھی ہرگز اس وٹے سٹے پہ تیار نہیں تھے۔

گھر میں جھگڑے بڑھتے گئے۔ تو اماں نے دھمکانے کی خاطر بھابھی کو گھر سے نکال دیا۔ اس طرح زعیم کو خبر ہوئی تو اس نے مجھ سے شادی کے لیے رضامندی دے دی لیکن یہاں میں اٹک گئی۔ وہ مجھے عزیز تھا مگر بھائیوں کی طرح...... اور وہ اپنی بہن کے لیے قربانی دے رہا تھا۔ جو مجھے گوارا نہیں تھی۔ پھر میں اپنی بھابھی کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اسی جھگڑے میں بڑے ماموں نے مجھے اشفاق کے لیے مانگ لیا گو کہ وہ تعلیم یافتہ نہیں تھا مگر اس کی مالی حیثیت مضبوط تھی۔ سب سے بڑھ کر ماموں کا گھر تھا۔

میری ہاں پر اماں مجھ سے ناراض ہوگئیں۔ اپنی جیسی ہی اپنی بیٹی کی ساس کو دیکھ کر اماں کے بل بھی نکل گئے۔ تاہم انہوں نے چھوٹے ماموں کو معاف نہیں کیا تھا۔

ہمارا آنا جانا بند ہو گیا۔ شادیوں پہ بھی ایک دوسرے کو نہیں بلایا تھا۔ بڑی مامی مزاجاً کرخت تھیں۔ ان کے سرد مزاج اور کرختگی کے ساتھ بمشکل سمجھوتا کرتے وقت گزر رہا تھا۔ مامی نے مجھ پر ہر وہ حربہ آزمایا تھا جو عام طور پر دیہاتی عورتوں کا شیوہ ہوتا ہے۔ حالات ایسے ہی بگڑتے رہے۔ اشفاق بھی اماں کے سامنے بول نہیں سکتے تھے۔

کافی عرصے بعد اشفاق نے باہر کاروبار کے لیے پیسہ انویسٹ کیا تو مجھے بھی ساتھ بلوا لیا۔ یوں زندگی میں آسانیاں آنے لگیں۔

جہاں تک زعیم کا معاملہ تھا۔ بڑی مامی نے ہمیشہ مجھے زعیم کے حوالے سے ٹارچر کیے رکھا تھا۔ ایک عرصہ تک اشفاق بھی مجھ سے اکھڑے اکھڑے رہے۔ کیونکہ مامی نے انہیں میرے خلاف اندر تک بھر رکھا تھا۔

اب یہی حربہ وہ تمہارے ساتھ استعمال کر رہی تھیں۔ صد شکر کہ تمہاری آنکھیں جلدی کھل گئیں۔

مجھے جدہ میں اتنا تو معلوم ہوا تھا زعیم کی شادی ہو چکی ہے۔ علیم کی بیوی کے رشتہ داروں میں ...... مجھے یہ خبر نہیں تھی علیم کی بیوی بھی تمہاری کزن ہے۔
ہم لوگ اتنی قریبی سہیلیاں تھیں مگر آج تک ایک دوسرے سے اتنا انجان اور بے خبر، جب تم نے مجھے بتایا۔ تمہاری شادی ایک چھوٹے سے دیہات میں ہو رہی ہے۔ تب میں بہت اپ سیٹ ہوئی۔ مجھے نہیں لگتا تھا تم کسی گاؤں میں ایڈجسٹ کر پاؤ گی۔
کہاں تم میں نزاکت، نخرہ، حسن ......اور کہاں ایک معمولی سا دیہاتی کسان۔
میں اپنے تجربوں کے تناظر میں تمہیں الٹے سیدھے مشورے دیتی تھی۔ یہ تو سوچا ہی نہیں تھا کہ اگر میرے بھائی یا اشفاق جیسے دیہاتی تھے تو زعیم اور علیم جیسے دیہاتی بھی تو موجود تھے۔ باوقار، تعلیم یافتہ ......اخلاقی قدروں کو جاننے والے۔
بس اتنی سی کہانی تھی۔ اور تم نے جان بوجھ کر اپنی سیدھی سادی زندگی کو مشکل بنالیا تھا۔ باقی جو کچھ بڑی مامی نے کہا۔ وہ سراسر الزام تھا۔ ایسے الزاموں کی زد میں بہت دفعہ میں بھی آئی تھی۔ تب ہی تو اشفاق کا سلوک میرے ساتھ ناروا تھا۔
صد شکر وہ سمجھ ہی گئے۔ اور تمہیں بھی عقل آ گئی۔" ادیبہ نے نرمی اور ملائمت سے ایک ایک گرہ کو کھول دیا تھا۔ ادیبہ کی ایک ایک بات پہ یقین رکھنے کے باوجود انزلہ کے دل سے ایک پھانس نہیں نکل رہی تھی۔
"تمہاری ساری باتیں ٹھیک سہی لیکن اتنا تو تم بھی نہیں جانتیں۔ زعیم مجھ سے شادی کسی طور نہیں کرنا چاہتے تھے۔ یہ بات مجھے وثوق سے پتا ہے۔ وہ میرے مقابل کسی ان پڑھ کو لانے پہ تیار تھے مگر صدف کی کزن کو نہیں ......حالانکہ زعیم سے نہ تو میں کبھی ملی تھی۔ نہ ہی انہیں مجھ سے کوئی پرخاش ہونا چاہیے تھی۔"
"اس سوال کا جواب تم زعیم سے لینا۔ وہ تمہیں بہت اچھے طریقے سے سمجھا دے گا۔" ادیبہ نے شرارت سے آنکھ دبائی دی۔ انزلہ ٹھنڈی سانس بھر کے رہ گئی تھی۔

☆☆☆

یہ دوسرا ویک اینڈ تھا۔ اس دفعہ بھی بہانہ بنا کر بیٹھ گیا تھا۔ آیا ہی نہیں۔ وہ اس سے ناراض ہو گیا تھا؟ لیکن ناراض تو انزلہ کو ہونا چاہیے تھا۔ اور وہ اس سے ناراض تھی بھی۔
لیکن اس دفعہ وہ زعیم سے ناراضی کا غصہ گھر والوں پہ نہیں نکال رہی تھی۔ بلکہ اس نے گھر والوں سے کشیدہ تعلقات بحال کر لیے تھے۔ خاص طور پر اماں اور ابا جی کو اپنی خدمت سے راضی کر لیا تھا۔ پھر فاریہ سے بھی دوستی کر لی۔ گھر کے کام کاج بھی احسن طریقے سے کرنے لگی تھی۔
انزلہ نے سب کی شکایتوں کو دور کر دیا تھا۔
اماں اور ابا جی اس سے خوش تھے۔ اس دفعہ میثم اور نقشم بھی بہت خوش خوش واپس گئے تھے۔ کیونکہ اس دفعہ انہیں جمعداروں اور دھوبیوں، باورچیوں والا کوئی بھی کام نہیں کرنا پڑا تھا۔
انزلہ کا رویہ اچھا تھا بلکہ بہت ہی اچھا تھا۔
ابا جی اس لیے خوش تھے کہ ان کی تیسری بہو بھی بے مثال تھی۔ ان کے بیٹوں کو جوڑے رکھنے والی۔
انزلہ سے گھر والے خوش تھے تو آپا نہال ہو ہو جاتی تھیں۔ بار بار اماں کو جتاتیں۔
"انزلہ دل کی بری نہیں ......بس تھوڑی جذباتی اور ناسمجھ ہے۔ دیکھیں تو، ہمارے گھر میں صدف کی طرح ہی گھل مل گئی۔" آپا اپنے فیصلے پہ خوش نظر آتی تھیں۔
جاتے دسمبر کی بھیگی شاموں میں بظاہر سب کے درمیان چہکتی انزلہ کے دل میں چٹکیاں بھرتا ملال اتنا بڑھ جاتا تھا۔ وہ زعیم کی واپسی کا دل سے انتظار کر رہی تھی۔ کس مقام پہ آ کر دل نادان نے ہاتھ دکھایا تھا۔ ان ہی اداس دنوں میں ادیبہ ہنستی مسکراتی انزلہ کے لیے ڈھیروں خوشیوں کی دعائیں کرتی اپنے شوہر

کے ہمراہ واپس جدہ چلی گئی تھی۔ انزلہ کا دل اور بھی ویران اور سنسان ہو گیا۔
وہ اپنی گزشتہ زندگی کو سوچتی اور حیران رہ جاتی۔ کیا وہ پہلے والی انزلہ تھی؟ نک چڑھی، ہٹ دھرم اور ضدی۔
وہ تو کوئی اور ہی انزلہ تھی ......ایک نئے سانچے میں ڈھلی ہوئی۔ ذمہ دار، کم گو اور باوقار سی۔
یوں جیسے زعیم کے گھر والوں کا دل جیت کر زعیم کے دل کو فتح کرنے کا ارادہ رکھتی ہو۔
زعیم ناراض تھا اور اس کا گناہ بھی معمولی نہیں تھا۔ اس نے زعیم پہ الزام لگایا تھا۔ لیکن زعیم نے بھی تو اسے تھپڑ مار کر بدلہ پورا کر لیا تھا۔ پھر اس "معنی خیز" چپ کا سبب کیا تھا؟
ایسے ہی ویران دنوں میں اچانک میثم، نقشم اپنی ہنسی اور مسکراہٹوں کے ساتھ چلے آئے تھے۔ ان کے آتے ہی صدف اور علیم بھی پہنچ گئے۔ پھر عظیم بھائی اور نازو بھابھی بھی۔ آپا اور صائم بھی چلے آئے۔
نہ آیا تو بس زعیم۔
انزلہ کے دل سے ہوک سی اٹھی۔ وہ اندر کی کیفیات چھپا کر ان سب کی تواضع میں جُت گئی تھی۔ پھر اس کے ساتھ صدف اور نازو بھابھی بھی لگ گئیں۔
میثم اور نقشم کے ساتھ صائم بھی کچھ پراسرار سا چوری چھپے مصروف نظر آ رہا تھا۔
انزلہ نے غور ہی نہ کیا...... ہر کوئی معنی خیزی سے اسے دیکھتا۔
بالآخر اس "پُراسراریت" کا عقدہ بھی شام تک کھل گیا۔
جب اچانک زعیم گھر آ گیا۔ اور ابا جی کا آنگن ______ بھر گیا۔ زعیم کے آتے ہی چہل پہل بڑھ گئی تھی۔ زعیم بھی پراسرار سا دکھائی دیتا تھا۔
اس کا جلا کٹا انداز، انزلہ کے دل میں آگ سی بھر دیتا تھا۔ حالانکہ اس کی مخاطب آپا ہوتی تھیں۔
"کہا تھا نا ......نازو بھابھی کی میٹرک فیل چچا زاد لے آئیں۔ کم از کم صدف کی کزن مت لائیں۔ اب بھگتیں اس مصیبت کو۔"
زعیم کے الفاظ انزلہ کی آنکھیں نم کر دیتے تھے۔ جی چاہتا تھا۔ اسے منہ پھاڑ کر جواب دے۔ لیکن بڑے صبر اور ضبط کا مظاہرہ کرتی چپ ہو گئی تھی، اس کے حصے کا جواب آپا نے جو دے دیا تھا۔
"ایک بھی انزلہ جیسی ڈھونڈ کر دکھاتے ...... ناشکرے، مجھ سے بہت پٹو گے۔" آپا کی ڈپٹ پہ وہ آنکھ بچا کر صدف کو اشارہ کرتا باہر نکل گیا تھا۔
پھر رات کا کھانا سب نے بڑے خوشگوار ماحول میں کھایا تھا۔ میثم، نقشم اور صائم کی شرارتوں میں انزلہ کا کلستا دل بھی بہل گیا۔
میثم انزلہ کی بنائی سویٹ ڈش "اورنج ڈیلائٹ" کے بخیے ادھیڑ رہا تھا۔
"اچھا اس کا نام اورنج ڈیلائٹ کیوں رکھا گیا۔ اس کا سادہ سا نام ہماری زبان میں کسٹرڈ ہونا چاہیے تھا۔ فرنی۔" میثم نے چمچہ بھر کے منہ میں رکھا اور حاضرین کو بھی متوجہ کیا۔
"اسے اورنج ڈیلائٹ اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ مالٹوں کے رنگ جیسا ہے......اور دن کو اس کی کوئی لائٹ جلتی ہو گی۔" صائم نے بھونڈے انداز میں کہا......علیم نے ان دنوں کے سامنے سے ڈونگا اٹھا لیا تھا پھر اس کو "ڈبے" میں پکایا جاتا ہے۔ تو اسے ڈیلائٹ کہا جاتا ہے۔"
"ایک تو کھائے جا رہے ہو۔ پھر باتیں بھی بنا رہے ہو۔ اب اس پہ تمہارا کوئی حق نہیں ہے۔" علیم کے ڈپٹنے پہ میثم اور صائم منہ بنا کر رہ گئے تھے۔ تاہم عظیم اور زعیم کافی لطف اندوز ہوئے۔
"صائم نے ٹھیک کہا......اس کو ڈبے میں پکایا ہے تو ڈیلائٹ ہوا۔ دن کی روشنی میں پکنے والا...... لیکن یوں لگتا ہے چینی کی جگہ کڑواہٹ ڈال دی گئی ہے یا تب ہی ذائقہ کڑوا لگتا ہے شاید یہ ہاتھوں کا کمال ہو۔" اس نے صاف انزلہ کو سنایا تھا۔ انزلہ اس

عزت افزائی پہ برہم ہوتی غصے میں اٹھ کر چلی گئی۔
پیچھے سے زعیم کو خوب ہی ڈانٹ پڑی۔ تاہم گرین ٹی کے بعد انزلہ کا موڈ کچھ بہتر ہوا تھا۔ کیونکہ اچانک رات کو میثم، نقشم، صائم حتیٰ کہ صدف اور علیم کے ساتھ نازو نے بھی تحفے دیے تو وہ حیران رہ گئی۔
انزلہ کی حیرت اس وقت کمال عروج پہ پہنچی تھی جب اماں اور آپا نے بھی اسے گرم سوٹ گفٹ کیے۔
"ان موئے فرنگیوں کے اوچھے تہواروں کو میں مانتی تو نہیں...... پر اپنی بیٹی انزلہ کے لیے کرنا پڑا...... اب عید تو دور تھی، سوچا اسی بہانے ہی سہی۔" اماں نے اسے لپٹا کر ماتھا چوما اور آپا نے بھی نہال ہوتی نگاہوں سے دیکھ کر انزلہ کو پیار کیا۔
"جب ساری بہوؤں کو وش کیا...... ان کی شادی کے پہلے سال میں...... اتنے بھرپور انداز میں تو انزلہ کو کیوں نہیں...... یہ سب نقشم اور میثم کا کمال ہے۔"
آپا نے مزید بتایا تو وہ الجھی الجھی نگاہوں سے سب کے معنی خیز چہرے دیکھنے لگی۔ زعیم نے کشن منہ پہ رکھا ہوا تھا۔ علیم اخبار دیکھ رہا تھا۔ عظیم البتہ ان کی طرف متوجہ تھا اور مسکرا رہا تھا۔
"اور آئیڈیا کس کا تھا...... وہ جو اتنا اچھوتا...... جس پہ تین گھنٹے ہم نے چوری کا مال اڑایا۔" صائم جو اپنے نظر انداز کیے جانے پہ کلس کر بھانڈا پھوڑنے لگا تھا۔
زعیم کی بروقت مداخلت پہ چپ سا ہو گیا۔ جیسے اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔ میثم نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔
"کمینہ! سارے سرپرائز کا بیڑہ غرق کرنے والا تھا۔" وہ زعیم کے کان میں جھکا تو زعیم نے اسے پھر سے گھوری جیسی گولی سے نوازا تھا۔
انزلہ ابھی تک ہونق بنی کھڑی تھی۔ پھر اس نے اماں کے اشارہ کرنے پہ سارے تحائف اٹھائے اور اپنے کمرے میں جانے لگی۔
جیسے ہی اس نے دروازہ کھولا ایک دم اس کے اوپر سرخ گلابوں کا ڈھیر آن گرا۔ انزلہ تو جیسے ہکا بکا رہ گئی تھی۔
کیا وہ اپنے ہی کمرے میں غلطی سے آ گئی تھی۔ کیا یہ اس کا کمرہ تھا۔
وہ جیسے ہونق بنی پاگل ہوتی دھڑکنوں کے شور میں ساکت کھڑی تھی۔ اس کے اردگرد پھول ہی پھول تھے۔ سرخ گلابوں پہ شبنمی قطروں سے سجے، نم نم انتہائی دلنشین...... خوشبو سے معطر...... پھول ہی پھول۔
سامنے ہی چھوٹی میز پہ کیک رکھا تھا۔ سرخ کریمی کیک...... دل کی شکل کا۔ اوپر موم بتیاں جل رہی تھیں اور پورا کمرہ گلابوں میں نہایا ہوا تھا۔
انزلہ کو چکر سا آ گیا۔
اس کی سالگرہ تو نہیں تھی...... پھر یہ کیک؟ اور سب کے تحائف؟؟
وہ کسی خواب کی کیفیت میں چلتی ہوئی کیک کے قریب آئی تو کیک پہ کندہ سنہرے حرفوں نے جیسے پورے کا پورا "معمہ" حل کر دیا تھا۔
اس کی شادی کو سال گزر گیا تھا۔ وہ تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ گاؤں کے رہنے والے اس کی شادی کی سالگرہ اس طرح منائیں گے۔
اس انوکھے سرپرائز پہ اس کا دل خوشی کے احساس سے لبالب بھر گیا۔ سب کے خلوص، محبت اور اپنائیت نے انزلہ کے دل کو جھکا دیا تھا۔ وہ جیسے ان سب کی محبتوں کے سامنے زیر بار ہو چکی تھی۔ ان سب کی "قرض دار" ہو گئی تھی۔ انزلہ کی آنکھیں دیکھتے ہی دیکھتے نمکین پانی سے لبالب بھر گئی تھیں۔
کیا وہ ان محبتوں کی قابل تھی؟ کیا وہ ان پرخلوص لوگوں کی محبت کا حق ادا کر رہی تھی؟ اپنی زیادتیاں یاد آئیں تو دل بھر بھر آیا۔ اپنا وہ ابتدائی روکھا رویہ اور اکھڑا انداز...... اس کے آنسو گالوں پہ پھسلتے چلے گئے تھے۔
معاً دروازہ کھلا اور کوئی چپکے سے انزلہ کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اس نے جھکے سر کو اٹھایا تو سامنے

زعیم کو پایا...... اس کا دل اور شدت سے رونے کو چاہا تھا۔ مگر خود پہ ضبط کے بندھ باندھے کھڑی رہی تھی۔ ساکت، جامد اور بے حس۔
بس دونوں کے درمیان خاموشی بول رہی تھی۔ بولتی جا رہی تھی۔
اس معنی خیز خاموشی کو بالآخر زعیم نے توڑا تھا۔
"انزلہ!" اس نے بڑے میٹھے لہجے میں انزلہ کو پکارا۔ انزلہ نے ڈبڈبائی آنکھوں سے زعیم کو دیکھا تھا۔ پھر بے ساختہ رخ موڑ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ یہ شاید ناراضی کا اظہار تھا۔ زعیم نے ٹھنڈی آہ بھری۔
ایک بات تو سمجھ میں آ گئی تھی۔ غلطی چاہے انزلہ کی ہوتی یا زعیم کی۔ معافی صرف زعیم کو ہی مانگنا تھی۔ یہ شاید لکھا جا چکا تھا۔ انزلہ کی لغت میں۔
زعیم گہرا سانس بھرتا ایک مرتبہ پھر انزلہ کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اب کہ انزلہ نے دوبارہ رخ نہیں موڑا تھا۔ زعیم کچھ دیر سوچتا رہا پھر انزلہ کا ہاتھ پکڑ کر بیڈ تک آ گیا۔ اس کو بیڈ پہ بیٹھا کر خود نیچے دو زانو کارپٹ پہ بیٹھ چکا تھا۔ یوں کہ انزلہ کے گھٹنوں پہ زعیم نے ہاتھ رکھ لیے تھے۔ جیسے اس کے بھاگنے کی ہر کوشش کو روکنا چاہتا ہو۔
"ناراض ہو۔" اس نے ملائمت سے پوچھا۔
"کیا نہیں ہونا چاہیے۔" انزلہ نے سوں سوں کرتے ہوئے شکوہ کیا تھا۔
"کیوں نہیں میری جان! ناراض ہونے کا صرف تمہیں ہی تو حق ہے۔ شوق سے ہوتی رہو۔ خادم موجود تو ہے منانے کے لیے۔" زعیم کا ہلکا پھلکا لہجہ بتا رہا تھا کہ ـــ وہ پچھلی ناراضیوں کو طول دینے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔
"اب کیا لینے آئے ہیں۔ یہاں مار دھاڑ کر چلے تو گئے تھے۔" وہ ابھی تک تھپڑ کو بھولی نہیں تھی۔ زعیم نے بے ساختہ آنکھیں میچیں۔
"آ گیا ہوں نا...... تم بدلے لے لو۔" اس کا جواب انزلہ کی توقع کے خلاف تھا۔
"کیا معافی نہیں مل سکتی۔" اس نے مسکین شکل بنا کر جیسے گزارش کی تھی۔ انزلہ ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ زعیم کا شفاف چہرہ روشن دن کی طرح چمک رہا تھا۔ انزلہ نے بے ساختہ نگاہیں چرائیں۔
"اپنے اس عاشق صادق کو معاف کر دو۔ تمہاری جدائی میں سلگ سلگ کر آدھا ہو چکا ہوں۔ اب مزید برداشت نہیں کر سکتا۔" اس کے چہرے پہ سچائی صاف لکھی تھی۔ انزلہ کا ہمکتا دل کچھ اور اترایا۔
"کیا میں جانتی نہیں کہ آپ مجھ سے شادی پہ کتنا معترض تھے۔" انزلہ کو گزشتہ سارے قصے اور شکوے ابھی یاد آ رہے تھے۔ زعیم نے ٹھنڈی آہ بھری۔
وہ بہت پرانی بات کر رہی تھی۔ اس وقت کی جب ان کے گھر میں زعیم کے لیے لڑکی ڈھونڈنے کی مہم شروع ہو رہی تھی۔
تب زعیم کی آپا کے سامنے زعیم کے لیے پہلا اور آخری انتخاب بس انزلہ کی صورت تھا۔ انہوں نے انزلہ کو اس گھر میں لانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھا۔ حالانکہ صدف تک متذبذب تھی اور زعیم بالکل نہیں مان رہا تھا۔
لیکن آپا نے اس کے کسی "انکار" پہ کان نہیں دھرے تھے...... انزلہ کو اس گھر میں لا کر ہی دم لیا تھا۔ صدف کو یہ اعتراض تھا کہ انزلہ کا مزاج تھوڑا گرم ہے۔ وہ شاید یہاں ایڈجسٹ نہ کر سکے۔
اور خود زعیم کو انزلہ پہ اعتراض نہیں...... اعتراضات تھے۔
ان اعتراضات تک پہنچنے کے لیے کچھ پیچھے کا سفر کرنا پڑا تھا۔ تاہم اس کی بدگمانی دور کرنے کے لیے یہ بہت ہی ضروری امر تھا۔
زعیم کو گلا کھنکھار کے بتانا ہی پڑا۔
"یہ بات اتنی پرانی نہیں کہ تم بھول چکی ہو۔ تمہیں بھی یاد ہی ہو گا۔ صدف کا ولیمہ...... جی ہاں صدف، تمہاری کزن کا ولیمہ...... جو یہاں گاؤں میں منعقد کیا گیا تھا۔ گاؤں کے رواج اور برادری کے

اصرار کی وجہ سے۔
اور شہر سے آئے تھے ہمارے معزز مہمان......
صدف کے گھر والے، عزیز واقارب......اور ان میں ایک طرح دار ماڈرن دوشیزہ بھی تھی۔ نخوت سے ناک چڑھاتی۔ اکڑ کر چلتی ہوئی۔ دیہاتی لوگوں کو ناگواری اور بیزاری سے دیکھتی ہوئی۔ پورے فنکشن میں اکھڑی اکھڑی۔ ایک کونے میں سب سے کٹ کر الگ تھلگ بیٹھی۔ جی، وہ صدف کی کزن تھی انزلہ۔

جس کا غصے اور بیزاری سے منہ پھولا ہوا تھا۔ جیسے اس ماحول میں سخت تکلیف کے ساتھ بیٹھی تھی۔ مجبوراً دل پر پتھر رکھ کے اور اس کے الفاظ مجھے اتنے عرصے تک نہیں بھولے تھے۔ مجھے یعنی زعیم عباسی کو۔

اس لڑکی نے یعنی مغرور ترین خود پسند لڑکی نے کیا کہا تھا۔

''ایسے گھٹیا اور جاہل لوگوں میں تائی امی نے صدف کی شادی کردی ہے۔ ایک بھی ڈھنگ کا پڑھا لکھا بندہ نظر نہیں آرہا۔ کتنے چیپ لوگ ہیں۔ تہبند میں ملبوس، اجڈ، گنوار، دیہاتی ......اور عورتیں دیکھو، ......سستے پاؤڈر میں لتھڑی زیورات کی دکان بنی ......کھانے کی تمیز تک نہیں ان لوگوں کو بوٹیوں پہ ٹوٹ پڑے ہیں۔ جیسے کبھی کھانا نہ دیکھا ہو جاہل لوگ بے ہودہ بچے اور گندا سا سیٹ اپ......اب تو دیہاتی لوگ بھی شہروں میں ہوٹل بک کروا کے شادیاں کرتے ہیں۔ ان جاہلوں کو اتنی بھی عقل نہیں...... کمینے اور کنجوس لوگ مجھے نہیں لگتا، صدف ان پینڈ ودں میں رہ سکے گی۔ میں تو لعنت بھیجوں ایسے لوگوں پہ......اور ایسے پرولو زلز یہ جس بندے کا بیک گراؤنڈ ہی اچھا نہ ہو۔''

وہ لڑکی بہت اونچا بول رہی تھی۔ بہت بدتہذیبی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ یوں کہ اردگرد کے لوگ بھی متوجہ ہو رہے تھے۔
میں نے یہ سب کیسے سنا؟ مجھ تک کیسے پہنچا......

شاید تمہیں معلوم نہ ہو......شاید تمہارے گمان میں بھی نہ ہو۔'' زعیم بولتے بولتے لمحہ بھر کے لیے رکا تو انزلہ کی بہتی آنکھیں پوری طرح کھل گئی تھیں۔

وہ جیسے ہکا بکا ہو گئی تھی۔
زعیم نے ٹھیک کہا تھا۔ اسے اپنے یہ الفاظ بھولے نہیں تھے۔ اسے سب یاد تھا۔ اپنا کہا ایک ایک لفظ یاد تھا۔
لیکن وہ حیران تھی۔ زعیم کو یہ سب کس نے بتایا تھا تب تو پورے فنکشن میں اسے ایک بھی ڈھنگ کا بندہ نظر نہیں آیا تھا۔ تو پھر زعیم کہاں تھا؟ اس کی حیرانی کو محسوس کر کے زعیم نے خود ہی بتادیا۔

''میں تب دوسری طرف تھا۔ مردانے میں اور بیچ میں پارٹیشن تھی۔ زنانہ حصہ الگ تھا اور مردانہ حصہ الگ ...... اور تم ٹینٹ کے بالکل ساتھ والی ٹیبل پر بیٹھی۔ تمہاری آواز صاف سنائی دیتی تھی۔ اور میرا غصے، توہین کے مارے برا حال تھا۔ تب میں شدید غصے میں اٹھا تھا۔ تاکہ نظارہ تو کر کے آؤں آخر اتنی بکواس کرنے والی خاتون ہے کون۔
جب میں دوسری طرف آیا تو تم وہاں سے اٹھ رہی تھیں۔ تمہاری امی بھی ساتھ تھیں۔ تب میں خود پر قابو پاتا باہر چلا گیا۔
بعد میں صدف سے تمہارے بارے میں ساری معلومات اکٹھی کرلی تھیں۔ مجھے تم تب اچھی نہیں لگی تھیں۔ لیکن آپا کا تم پہ دل آگیا اور انہوں نے تمہیں اس گھر میں لانے کی ضد ٹھان لی۔ میں ایک مغرور اور خود پسند لڑکی سے کبھی شادی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میرے انکار کی بس یہی وجہ تھی۔ لیکن شادی کے بعد میں نے تمہیں مختلف رنگوں میں پایا ہے۔ ان میں ایک رنگ تو بہت ہی گہرا ہے۔''
زعیم نے پوری روداد سنائی تو انزلہ کا سر جھک گیا تھا۔ ڈھیر ساری ندامت نے اسے آن گھیرا تھا۔ انزلہ کی گھری ہوتی شرمندگی پہ زعیم دھیرے سے مسکرایا۔ اسے مسکراتا دیکھ کر انزلہ کی جان میں جان آئی تھی۔

''تو میرا کون سا رنگ گہرا ہے۔'' انزلہ کا اعتماد بحال ہوا تو اس نے مسکرا کر پوچھا۔
''اصل میں تم مغرور، خود پسند تو ہو ہی۔ پر تم میں بے وقوفی کا رنگ بہت گہرا ہے۔ اللہ کی قسم! جذبوں کو بالکل نہیں سمجھتیں۔ یہ اتنی لمبی کتھا تو سنا ڈالی ہے اور اب کتنا ''اظہار محبت'' اور چاہتی ہو۔''
زعیم نے بے ساختہ اسے چھیڑا تو وہ ہنستے ہوئے میز تک آ گئی تھی۔ چھوٹا سا خوب صورت کیک سجا منتظر تھا۔ انزلہ نے چھری پکڑ کے کیک کاٹا...... اور ایک پیس زعیم کی طرف بڑھایا۔ پھر اس کا بچا ہوا کیک اپنے منہ میں رکھ لیا۔
''مجھے یقین نہیں آرہا...... آپ مجھے اتنے رومینٹک انداز میں بھی منا سکتے ہیں۔'' زعیم کی شرارتوں پہ سرخ پڑتی وہ گھبرا کر بمشکل بول پائی تھی۔
سرخ گلاب، مزے دار کیک، جلتی ہوئی موم بتیاں اور زعیم کی محبت' انزلہ تو جیسے پور پور سرشار ہو چکی تھی۔
اسے اپنی بے وقوفیاں یاد آئیں اور وہ ساری لڑائیاں، غصہ، جھڑپیں۔ امی اور بھائیوں سے ناراضی......وہ کتنی احمق تھی جو سمجھ ہی نہ سکی۔
بھلا امی اور بھائی اس کے لیے کچھ غلط سوچ سکتے تھے؟ کوئی غلط فیصلہ کر سکتے تھے؟ وہ کس قدر ان لوگوں سے بھی بدگمان تھی۔
اسے بہت ساری باتوں پہ پشیمانی تھی اور اب ازالہ کرنے کا وقت نہیں تھا۔ اس نے سوچا، وہ صبح اپنی امی اور بھائیوں کا شکریہ ادا کرے گی لیکن اس وقت انزلہ پہ سجدۂ شکر واجب تھا۔ اسے سب سے پہلے نوافل ادا کرنے تھے۔ اور زعیم کے رومانس کے طویل ہونے سے پہلے ادیبہ کو بھی شکریہ کا میسج کرنا تھا مگر اس سے بھی پہلے۔ دروازہ دھاڑ سے کھلا تھا۔ اور ایک لشکر اندر امڈ آیا۔
میثم اور نقشم چلا رہے تھے۔ اور صائم کیک پہ ٹوٹ پڑا تھا۔
''کتنا کمینہ ہے تو! اکیلے اکیلے کیک کاٹ لیا۔ ہمیں یاد تک نہ کیا۔ بے وفا، ذلیل! اللہ دتہ چاچے کے سارے پھول ''اڑا'' کر لائے ہیں۔
پورا کمرہ پھولوں سے سجایا۔ کیک بنوایا تیرے لیے اتنا رومینٹک ''سیٹ'' تیار کیا اور تو ہمیں بھول گیا پورا کمینہ ہے تو۔'' میثم جلبلا رہا تھا......زعیم قہقہہ لگا رہا تھا......باقی سب کے چہروں پہ مسکراہٹ تھی۔
نقشم نے بیک گراؤنڈ میں میوزک چلا دیا......
کمرے میں مدھر سی دھن بکھرنے لگی تھی اور جیسے تازہ گلاب کی کلیاں کھلنے لگی تھیں۔ زرد، اداسی اور بدگمانی کے دن گزر چکے تھے۔ یقین بھری رات سایہ فگن تھی۔
اور اسے کہیں دور خلیل جبران کی بات یاد آرہی تھی اور بڑے ہی بھلے وقت میں یاد آ رہی تھی۔
''محبت آسمانوں سے سیدھی دلوں پہ وارد ہوتی ہے۔''
اگر خلیل جبران کہتا تھا تو ٹھیک ہی کہتا تھا۔ انزلہ کی کیا مجال تھی جو انحراف کرتی۔

☆